دارالعلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ
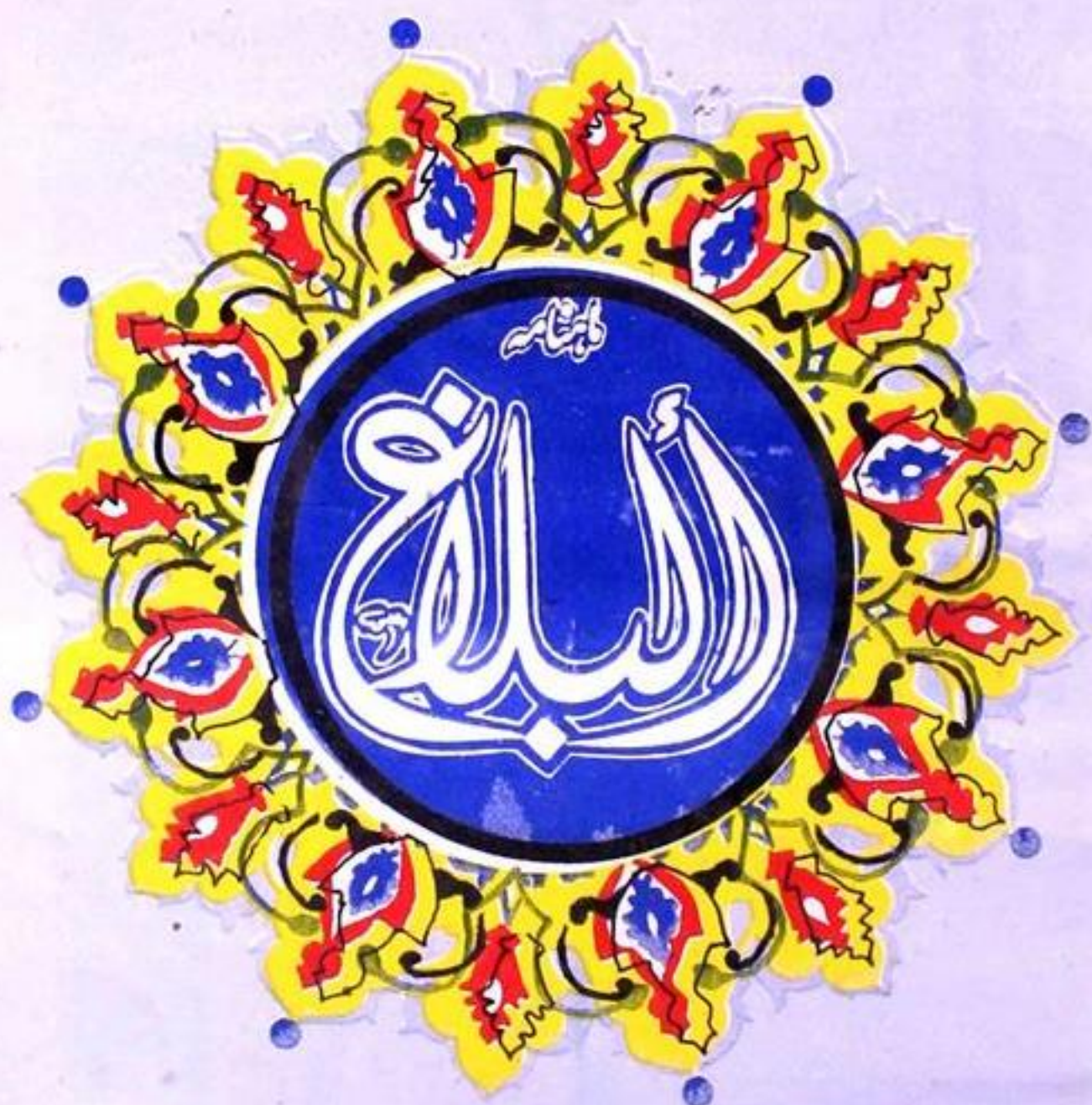
ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ دسمبر ۱۹۸۷ء

بانی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

هٰذا بلاغ للناس

جلد ۲۲
ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ / دسمبر ۱۹۸۷ء
شمارہ ۴

نگراں :
حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی

مدیر :
محمد تقی عثمانی

ناظم :
شجاعت علی ہاشمی

قیمت فی پرچہ پانچ روپے

سالانہ پچاس روپے

سالانہ بدل اشتراک :
بیرون ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری :

ریاستہائے متحدہ امریکہ / ۲۳۰ روپے برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ
ہانگ کانگ، نائیجیریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ / ۱۸۰ روپے سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت / ۱۵۰ روپے

پبلشر : محمد تقی عثمانی دارالعلوم کراچی
پرنٹر : مشہور آفسٹ پریس، کراچی

خط و کتابت کا پتہ : ماہنامہ البلاغ، دارالعلوم کراچی ۱۴
فون نمبر : ۳۱۱۲۱۷

ترتیب

ذکر و فکر

معارف و مسائل

مقالات و مضامین

نقد و تبصرہ

حمد و ستائش اُس ذات کے لیے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اُس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

پچھلے مہینے پاکستان اور ہندوستان میں کرکٹ کے بین الاقوامی مقابلے منعقد ہوئے جن کا چرچا برِصغیر میں تقریباً ڈیڑھ ماہ جاری رہا، اس عرصے میں ایک درجن سے زائد میچ کھیلے گئے، اور ہر ہفتے میں کم از کم دو تین مقابلے منعقد ہوتے رہے۔ اس دوران کھیلوں کے یہ مقابلے ملک بھر کی اہم ترین دل چسپی کا موضوع بنے ہوئے تھے، گھر گھر میں اسی کا چرچا تھا، اور جہاں چند آدمی جمع ہوئے، کھیل ہی کی بات چھڑ گئی، سربراہانِ مملکت سے لیکر مزدور اور ملازم تک اکثر افراد انہی کھیلوں کی تازہ ترین صورتِ حال معلوم کرنے، ٹیلی ویژن پر ان کا نظارہ کرنے اور ریڈیو پر تبصرہ سُننے میں مشغول، بلکہ مسحور رہے، مختصر یہ کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان دنوں پوری قوم کا اہم ترین مسئلہ یہ مقابلے ہیں، اور ان سے زیادہ اہمیت کسی موضوع کو حاصل نہیں ہے۔ گویا ہمارا ملک اپنے وجود و بقا سے لیکر ترقی و استحکام تک کے تمام مسائل سے بحسن و خوبی فارغ ہو چکا ہے، اور اب اس قوم کے پاس کھیلنے اور کھیلوں کا نظارہ کرنے کے سوا کوئی کام باقی نہیں رہا۔

ابھی لوگوں کے دماغ سے اس ڈیڑھ ماہ کے کھیل کا خُمار اُترا نہیں تھا کہ آج کے اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ:۔

"انگلینڈ کی کرکٹ ٹیم پاکستان کے دورے کے دوران تین ٹیسٹ میچوں

کی سیریز کے علاوہ تین ایک روزہ انٹرنیشنل میچوں کی سیریز بھی کھیلے گی۔ ٹیم کے دورے کا پروگرام مندرجۂ ذیل ہے:۔ ۱۴ر سے ۱۶ر نومبر سہ روزہ میچ راولپنڈی، ۱۸ر نومبر پہلا ایک روزہ انٹرنیشنل میچ لاہور، ۲۰ر نومبر دوسرا ایک روزہ انٹرنیشنل میچ کراچی، ۲۲ر نومبر تیسرا ایک روزہ انٹرنیشنل میچ پشاور، ۲۵ر سے ۳۰ر نومبر پہلا ٹیسٹ لاہور، ۲ر سے ۴ر دسمبر ساہیوال میں سہ روزہ میچ، ۷ر سے ۱۲ر دسمبر دوسرا ٹیسٹ میچ فیصل آباد، اور ۱۶ر سے ۲۱ر دسمبر تک کراچی میں تیسرا اور آخری ٹیسٹ میچ کھیلا جائے گا۔"

(جنگ کراچی ۱۴ر نومبر ۱۹۸۷ء)

خلاصہ یہ ہے کہ ۱۴ر نومبر سے ۲۱ر دسمبر تک مزید ڈیڑھ مہینہ قوم پر، بالخصوص نوجوانوں پر، کرکٹ کا بخار مسلط رہے گا۔ اور کسی نے بتایا ہے کہ اس کے بعد جلد ہی پاکستانی ٹیم کسی غیر ملکی دورے پر روانہ ہوگی۔

ایسے ورزشی کھیل جن سے صحت و قوت برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہو، بذاتِ خود کوئی ناجائز یا بُری چیز نہیں ہیں، لیکن ہر چیز کی کوئی معقول حد ہوتی ہے، جس سے تجاوز کر کے مُباح تو مُباح، نیک کام بھی ناجائز اور قابلِ نکیر و ملامت ہوجاتا ہے۔ اِس وقت کھیلوں کی صورتِ حال یہ ہے کہ ہمارے یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بذاتِ خود ایک مقصدِ زندگی بنا لیا گیا ہے، اور اُن کو غور و فکر، تحریر و تقریر، اور جہد و عمل کا ایک ایسا موضوع قرار دے لیا گیا ہے جو زندگی کے بہت سے حقیقی مسائل سے کہیں زیادہ اہمیت اختیار کرچکا ہے۔

اِس طرزِ عمل کے نتیجے میں پوری قوم کے اوقات جس بے دردی سے برباد ہو رہے ہیں، اُن پر حسرت و افسوس کے اظہار کے لئے الفاظ ناکافی معلوم ہوتے ہیں۔ وقت کی قدر و پہچاننا ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں، صرف اسلام ہی نہیں، دنیا بھر کے مذاہب، بلکہ بے خُدا فلسفے بھی ہمیشہ وقت کی قدر کا درس دیتے رہے ہیں، لیکن ان کھیلوں کے دوران ہمارے مجموعی طرزِ عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ فالتو اور بے مصرف چیز وقت ہے، اور اس کا کوئی مصرف میچ دیکھنے اور اس پر تبصرہ کرنے اور سُننے سے بہتر نہیں ہے۔

میچ کے دنوں میں بعض مقامات پر تو باقاعدہ سرکاری چھٹی کا اعلان کیا گیا، لیکن جہاں باقاعدہ چھٹی نہیں ہوئی، وہاں بھی عملاً چھٹی ہی کی سی کیفیت رہی، جب دفتروں اور تعلیم گاہوں میں ہر وقت نظریں ٹی وی پر اور کان ریڈیو پر مرکوز ہوں، اور ذہن و تصور کھیل کے میدان میں پہنچا ہوا ہو تو دفتری کام اور تعلیم جیسی چیزوں میں وہ دلچسپی کہاں سے پیدا ہو جو انہیں سنجیدگی کے ساتھ انجام دینے کیلئے ضروری ہے؟ خاص طور سے وہ نوجوان اور نوخیز بچے جن کا ذہن ابھی کھیل کود اور زندگی

کے سنجیدہ معاملات کے درمیان تقابل کرنے کا اہل ہی نہیں ہے، جب ان کے دل و دماغ پر شب و روز گیند اور بلّے ہی کی حکمرانی رہیگی تو وہ تعلیم جیسے خشک کام پر کیسے توجہ دے سکیں گے؟

پھر وہ بڑے حضرات جن کے ذہن پختہ ہو چکے ہیں، اور جوان بچّوں کے مُربی کی حیثیت رکھتے ہیں، جب یہ بچّے اُن کو بھی اس حالت میں دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے تمام کام چھوڑ کر اپنی آنکھیں کرکٹ اسٹیڈیم پر مرکوز کر رکھی ہیں، اور ان کی گفتگو کا موضوع بھی کھیل ہی کھیل بنا ہوا ہے تو ان کے ذہن سے کھیل میں ہمہ تن محو ہو جانے کی بُرائی کا کوئی تصور ہی باقی نہیں رہتا، اور وہ قلب وضمیر کے پورے اطمینان اور انشراح کے ساتھ تعلیم کو خیرباد کہکر کھیل کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

اس پر مستزاد یہ ہے کہ حکومت اور عوام دونوں کی طرف سے کھیل کو مقصدِ حیات بنانے والوں کی جو پذیرائی ہوتی ہے، اور کھیل کے قدردانوں کی طرف سے اُن پر جس طرح تحسین و آفرین اور دولت و شہرت نچھاور کی جاتی ہے، وہ کبھی ملک کے کسی بڑے سے بڑے مفکر، کسی بڑے سے بڑے سائنس دان یا بڑے سے بڑے مُصلح کے حصّے میں بھی نہیں آئی۔ اچھے کھلاڑی کے ایک ایک ایکشن پر لاکھوں روپے کے انعامات مل رہے ہیں، کسی کھلاڑی کا "بابرکت" بلّا لاکھوں روپے میں فروخت ہو رہا ہے، کسی کو کار انعام میں مل رہی ہے، سربراہانِ حکومت پورے پورے دن بیٹھ کر ان کے کارنامے دیکھ رہے ہیں، اور اپنے ہاتھوں سے انہیں انعامات تقسیم کر رہے ہیں، غرض جب بچے یہ دیکھتے ہیں کہ کھیل کو مقصدِ زندگی بنانے والوں کی چاندی ہی چاندی ہے، تو اُن بیچاروں کا کیا قصور ہے اگر وہ یہ سمجھنے لگیں کہ تعلیم میں جی لگانے کی نصیحتیں ایک ڈھونگ سے زیادہ نہیں ہیں، ورنہ دُنیا میں پیسہ اور نام پیدا کرنے کا بہترین راستہ تو کھیل میں جی لگانا ہے۔

یہ داستان تو وقت اور انسانی صلاحیتوں کے ضیاع کی تھی، اب اگر ان مقابلوں کے مالی پہلو پر نظر ڈالی جائے تو وہ بھی کچھ کم افسوسناک نہیں ہے، ایک ایک اسٹیڈیم کی تیاری پر جو خرچ آتا ہے، اور ان کھیلوں کے انتظام و انصرام پر جو مصارف ہوتے ہیں، کیا وہ ایک ایسے ملک کیلئے قابلِ افسوس نہیں ہیں جس میں دن رات غربت اور افلاس اور وسائل کی قلت کا رونا رویا جاتا ہے؟

آج دنیا کے بہت سے ملکوں میں کھیلوں کے فروغ کا ذوق پیدا ہو رہا ہے، لیکن کھیلوں کے لئے جس طرح تن من دھن کی بازی ہم نے لگا رکھی ہے اس کی نظیریں دنیا میں بہت کم ہوں گی۔ آخر اسی بیسویں صدی کی دُنیا میں بہت سے ممالک ایسے بھی موجود ہیں جن کا نام کھیلوں کے سلسلے میں کبھی سُننے میں نہیں آتا، بلکہ شاید اکثریت ایسے ہی ممالک کی ہے، وہ لوگ بھی اپنے بچوں کیلئے جسمانی ورزش اور تفریحِ طبع کا سامان کرتے ہی ہوں گے، لیکن کھیل کو موت و حیات کا مسئلہ بنائے بغیر بھی وہ نہ صرف بیسویں صدی میں زندہ ہیں، بلکہ ہم سے زیادہ ترقی کر رہے ہیں۔ ایک چین ہی کو دیکھ لیجئے کہ جسمانی ورزش کا جتنا ذوق اور اہتمام اس قوم میں پایا جاتا ہے، کم از کم میں نے کسی اور قوم میں نہیں دیکھا، لیکن وہ ورزش 'ورزش' ہی کی حد تک ہے، اُسے انہوں نے ایسا ملک گیر جنون بننے نہیں دیا جو بچّے بچّے کے سر پر سوار ہو کر اُسے اپنے اصل فرائض

سے غافل کر دیا۔

ان گذارشات کا منشا، خدانخواستہ صرف طعن و تشنیع نہیں ہے، بلکہ ہم انتہائی دِلسوزی کے ساتھ حکومت اور عوام دونوں کو اس پہلو کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ "میچ نوازی" کا یہ سلسلہ اب حد سے گذر گیا ہے، اور اس کے نقصانات کو ہر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جس کے اندر معقولیت کی ادنیٰ رمق موجود ہو، خدا کے لئے سوچئے کہ اس طرح ہم اپنی قوم کو کس طرف لے جا رہے ہیں؟ ہم ایک ایسی قوم کے افراد ہیں جو بیشمار مسائل کے گرداب میں پھنسی ہوئی ہے، جس کی ہر صبح ایک نیا مسئلہ لیکر نمودار ہوتی ہے، جس کے بچے صحیح تعلیم و تربیت سے محروم ہیں، جس کے محکموں میں حل طلب معاملات کے انبار لگے ہوئے ہیں، جس کے چاروں طرف دشمن منہ کھولے کھڑے ہیں، جسے اپنے دفاع کے لئے اُس غیر ملکی امداد کی احتیاج ہے جو اس کی عزت اور آزادی کی قیمت پر مہیا ہوتی ہے۔ اس قوم کو ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کا بچہ بچہ کھلاڑی بننے کے بجائے سپاہی اور جہد و عمل کا عادی بنے، لیکن ہم نے ان کھیل تماشوں کے ذریعے فضا ایسی پیدا کر دی ہے کہ نئی نسل کا آئیڈیل یا تو کوئی کھلاڑی ہے، یا کوئی اداکار یا گلوکار؟ خدا کے لئے سوچئے کہ ع

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

محمد تقی عثمانی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا

خلاصۂ تفسیر

اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا، اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے، اسی کے اختیار میں کنجیاں ہیں آسمان و زمین کی۔ یعنی ان سب چیزوں کا موجد و خالق بھی وہی ہے اور ان کو باقی رکھنے والا، حفاظت کرنے والا بھی وہی ہے۔ جو مفہوم ہے لفظ وکیل کا اور ان سب مخلوقات میں تصرفات و انقلابات بھی اسی کا کام ہے یہ مفہوم ہے۔ لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا کیونکہ جس کے ہاتھ میں خزانوں کی کنجیاں ہوتی ہیں۔ وہی عادۃً ان میں تصرفات کا مالک ہوتا ہے اور جب ساری کائنات کا خالق بھی بلا شرکت غیرے وہی ہے محافظ بھی وہی ہے مالک تصرفات کا بھی وہی ہے تو عبادت بھی صرف اسی کی ہونا چاہیئے اور سزا و جزا کا مالک بھی وہی ہونا چاہیئے جو خلاصہ ہے توحید کا اور چونکہ ان سب مقدمات کو یہ مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے تو ان پر لازم تھا کہ عقیدہ توحید کو بھی تسلیم کریں، اس لئے فرمایا) جو لوگ (اس پر بھی) اللہ کی آیتوں کو (جو توحید اور جزاء کے مضمون پر مشتمل ہیں) نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے (اور یہ لوگ خود تو کفر و شرک میں ملوث تھے ہی اب ان کا حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ آپ کو بھی اپنے طریقہ پر لانے کے لئے فرمائش کرتے ہیں سو) آپ کہہ دیجئے کہ اے جاہلو (مذکورہ دلائل سے توحید کا مکمل ثبوت اور کفر و شرک کا ابطال ہو جانے کے بعد) پھر بھی تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کرنے کے لئے کہتے ہو (اور آپ سے کفر و شرک کا صادر ہونا کیسے ممکن ہے جبکہ) آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے ہو گزرے ہیں اُن کی طرف بھی یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ (ہر اُمتی کو پہنچا دیں) کہ اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا کام سب غارت ہو جائے گا اور تو خسارہ میں پڑے گا۔ (اس لئے تو کبھی

شرک کے پاس نہ جانا) بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرنا اور (اُسی کا) شکرگزار رہنا (اور جب انبیاء علیہم السلام کو جن میں آپ بھی داخل ہیں توحید کا حق ہونا اور کفروشرک کا باطل ہونا بذریعہ وحی ثابت ہو چکا اور وہ اس پر مامور کئے گئے کہ دوسروں کو بھی اس عقیدے کی ہدایت کریں تو ان مشرکین کا آپ سے کفروشرک کی توقع رکھنا بجز حماقت کے اور کیا ہو سکتا ہے) اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے خدائے تعالیٰ کی عظمت و قدر نہ پہچانی جیسا کہ پہچاننا چاہیئے تھا، حالانکہ ساری زمین اُسی کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے اُس کے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک اور برتر ہے اُن کے شرک سے۔

معارف ومسائل

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ مقالید، جمع مقلاد یا مقلید کی ہے جو قفل کی کنجی کے لئے بولا جاتا ہے اور بعض حضرات نے کہا در اصل یہ لفظ فارسی زبان سے معرّب کیا گیا ہے فارسی میں کنجی کو کلید کہتے ہیں۔ معرّب کر کے اس کو اقلید بنایا گیا پھر اس کی جمع مقالید لائی گئی (روح) کنجیوں کا کسی کے ہاتھ ہونا اس کے مالک و متصرف ہونے کی علامت ہے، اس لئے مراد آیت کی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو خزانے نعمتوں کے مستور ہیں، ان سب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہی ان کا محافظ ہے اور وہی متصرف ہے کہ جب چاہے جس کو چاہے جس قدر چاہے اور جس کو چاہے نہ دے۔

اور بعض روایات حدیث میں کلمہ سوم یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ کو مقالید السموٰت والارض فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص صبح و شام یہ کلمہ پڑھتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے خزانوں کی نعمتیں عطا فرماتا ہے ان روایات کو ابن جوزی نے موضوع کہہ دیا ہے، مگر دوسرے محدثین نے احادیث ضعیفہ قرار دیا ہے جن کا فضائل اعمال میں اعتبار کیا جا سکتا ہے (روح المعانی)

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ۔ قیامت کے روز زمین کا اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہونا اور آسمانوں کا لپیٹ کر اس کے داہنے ہاتھ میں ہونا اسلاف متقدمین کے نزدیک اپنے حقیقی معنوں میں ہیں۔ مگر مضمون آیت متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقت بجز خدائے تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ عام لوگوں کو اس کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش بھی ممنوع ہے بس اس پر ایمان لانا ہے کہ جو کچھ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق اور صحیح ہے اور چونکہ اس آیت کے ظاہری الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے لئے مٹھی اور داہنے ہاتھ کا ہونا معلوم ہوتا ہے جو اعضاء و جوارح جسمانی ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے پاک ہے اس کی طرف آیت کے خاتمہ میں اشارہ کر دیا کہ ان الفاظ کو اپنے اعضاء پر قیاس مت کرو، اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

اور علماء متاخرین نے اس آیت کو ایک تمثیل و مجاز قرار دے کر یہ معنی بیان کئے کسی چیز کا مٹھی میں ہونا اور داہنے ہاتھ میں ہونا کنایہ ہوتا ہے۔ اس پر پوری طرح قبضہ و قدرت سے یہی مکمل قبضہ قدرت مراد ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

خلاصۂ تفسیر

اور (قیامت کے روز جس کا اوپر ذکر آیا ہے) صور میں پھونک ماری جاویگی جس سے تمام آسمان اور زمین والوں کے ہوش اڑ جاویں گے (پھر زندہ تو مر جاویں گے اور مُردوں کی رُوحیں بے ہوش ہو جاویں گی) مگر جس کو خدا چاہے (وہ اس بے ہوشی اور موت سے محفوظ رہے گا) پھر اُس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جاویگی تو دفعۃً سب کے سب (ہوش میں آکر ارواح کا تعلق ابدان سے ہوکر قبروں سے نکل) کھڑے ہو جاویں گے (اور چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے (جیسا کہ حادثہ غریبہ کے وقوع کے وقت عادت طبعی ہے) اور (پھر حق تعالیٰ حساب کے لئے زمین پر اپنی شان کے مناسب نزول و تجلی فرماویں گے اور) زمین اپنے رب کے نور (بے کیف) سے روشن ہو جاویگی اور (سب کا) نامۂ اعمال (ہر ایک کے سامنے) رکھدیا جاوے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جاویں گے (گواہ کا مفہوم عام ہے جس میں پیغمبر بھی داخل ہیں اور فرشتے بھی اور اُمت محمدیہ بھی اور اعضاء و جوارح بھی، جس کی تفصیل آگے معارف کے ضمن میں آتی ہے) اور سب (مکلفین) میں (حسب اعمال) ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جاوے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا (کہ کوئی نیک عمل جو بشرائط واقع ہوا ہو چھپا لیا جائے یا کوئی بدعمل بڑھا دیا جاوے) اور ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جاوے گا (اعمال نیک میں بدلہ کے پورا ہونے سے مقصود نفی کی کمی ہے اور اعمال بد میں پورا ہونے سے مقصود زیادتی کی نفی ہے) اور وہ سب کے کاموں کو خوب جانتا ہے (پس اُس کو ہر ایک کے موافق جزا دیدینا کچھ مشکل نہیں) اور (بیان اُس بدلہ کا جو نتیجہ فیصلہ کا ہے یہ ہے کہ) جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف گروہ گروہ بنا کر (دھکے دے کر ذلت و خواری کے ساتھ) ہانکے جاویں گے (گروہ گروہ اس لئے کہ اقسام و مراتب کفر کے جُدا جُدا ہیں۔ پس ایک طرح کے کفار کا ایک ایک گروہ ہوگا) یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچیں گے تو (اُس وقت) اُس کے دروازے کھول دیئے جاویں گے اور اُن سے دوزخ کے محافظ (فرشتے بطور ملامت کے) کہیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں سے (جن سے استفادہ تمہارے لئے مشکل نہ تھا) پیغمبر نہ آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سنایا کرتے تھے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے وہ کافر کہیں گے کہ ہاں (رسول بھی آئے تھے اور انہوں نے ڈرایا بھی) لیکن عذاب کا وعدہ کافروں پر (جن میں ہم بھی داخل ہیں) پورا ہو کر رہا (یہ اعتذار نہیں بلکہ اعتراف ہے کہ باوجود ابلاغ کے ہم نے کفر کیا اور کافروں کے لئے جو عذاب موعود تھا وہ ہمارے سامنے آیا واقعی ہم مجرم ہیں پھر اُن سے) کہا جاوے گا (یعنی وہ فرشتے کہیں گے) کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو (اور) ہمیشہ اس میں رہا کرو غرض (خدا کے احکام سے) تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے (پھر اس کے بعد وہ جہنم میں داخل کئے جاویں گے اور دروازے بند کر دیئے جاویں گے۔ کما قال تعالیٰ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ یہ تو کفار کا حال ہوا) اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے (جس کا ابتدائی مرتبہ ایمان ہے پھر آگے اس کے مختلف درجات ہیں) وہ گروہ گروہ ہو کر (جس مرتبہ کا تقویٰ ہوگا اس مرتبہ کے متقی ایک جگہ کر دیئے جاویں گے اور) جنت کی طرف (شوق دلا کر جلدی) روانہ کئے جاویں گے یہاں تک کہ جب اس (جنت) کے پاس پہونچیں گے اور اس کے

دروازے (پہلے سے) کھلے ہوئے ہوں گے (تاکہ ذرا بھی دیر نہ لگے اور نیز اہل اکرام کے لئے ایسا ہی ہوتا ہے جیسا مہمان کے لئے عادت ہے کہ پہلے سے دروازہ کھول دیا جاتا ہے کما قال تعالیٰ مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ) اور وہاں کے محافظ (فرشتے) ان سے (بطور اکرام ثنا کے) کہیں گے کہ السلام علیکم تم مزہ میں رہو سو اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ (اس وقت اس میں داخل ہو جاویں گے) اور (داخل ہو کر) کہیں گے کہ اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم کو اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں (یعنی ہر شخص کو خوب فراغت کی جگہ ملی ہے خوب کھل کھیل کر چلیں پھریں، بیٹھیں اٹھیں قیام کے طور پر تو اپنی ہی جگہ میں اور سیر کے طور پر دوسرے جنتی کے درجہ میں بھی) غرض (نیک) عمل کرنے والوں کا اچھا بدلا ہے (یہ جملہ خود اہل جنت کا ہو یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو دونوں امکان ہیں) اور (آگے اجلاس کے آخری فیصلہ تک اسی مضمون کو مختصر اور پرشوکت الفاظ میں بطور تخمیص کے فرماتے ہیں کہ) آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ (نزول اجلاس للحساب کے وقت) عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے ہوں گے (اور) اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جاوے گا اور (اس فیصلہ کے ٹھیک ہونے پر ہر طرف سے جوش کے ساتھ یہی خروش ہو گا اور) کہا جاوے گا کہ ساری خوبیاں خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے (جس نے ایسا عمدہ فیصلہ کیا پھر اس نعرۂ تحسین پر دربار برخاست ہو جاوے گا)

معارف و مسائل

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۔ صَعِقَ کے لفظی معنیٰ بے ہوش ہونے کے ہیں اور مراد یہ ہے کہ اول بے ہوش ہو جائیں گے پھر سب مر جائیں گے اور جو پہلے مر چکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی (کما فی بیان القرآن من سورۃ النمل وعند ابن کثیر مثلہ)

إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۔ میں درمنثور کی روایات کے مطابق چار فرشتے جبرئیل۔ میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں اور بعض روایات میں حملۃ العرش بھی اس میں داخل ہیں ان کے استثناء کا مطلب یہ ہے کہ نفخ صور کے اثر سے ان کو موت نہیں آئے گی مگر اس کے بعد ان کو بھی موت آجائے گی اور سوائے ایک ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کے کوئی اس وقت زندہ نہیں رہے گا۔ ابن کثیر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ان سب میں بھی سب سے آخر میں ملک الموت کو موت آوے گی۔ سورۂ نمل میں بھی ایک آیت اسی کی مثل گزری ہے اس میں صَعِقَ کے بجائے فَزِعَ کا لفظ آیا ہے وہاں بھی اس کی کچھ تفصیل گزری ہے۔

وَجِيْءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاءِ ۔ مراد یہ ہے کہ میدان حشر میں حساب کتاب کے وقت سب انبیاء بھی موجود ہوں گے اور دوسرے سب گواہ بھی حاضر ہوں گے۔ ان گواہوں میں خود انبیاء علیہم السلام بھی ہوں گے، جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے وَجِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ ۔ اور فرشتے بھی گواہوں میں ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے مَعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۔ کہ اس میں سائق اور شہید سے مراد فرشتے ہونا تفسیر درمنثور، سورہ ق میں مذکور ہے اور ان گواہوں میں امت محمدیہ بھی ہو گی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے

وَتَکُوْنُوْا شُہَدَاءَ عَلَی النَّاسِ اور ان گواہوں میں خود انسان کے اعضاء و جوارح بھی ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ تُکَلِّمُنَا اَیْدِیْھِمْ وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ۔

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّۃِ حَیْثُ نَشَاءُ۔ مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کے لئے اپنے اپنے مکانات محلات اور باغات تو ہوں گے ہی ان کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ دوسرے اہل جنت کے پاس ملاقات و تفریح کے لئے جایا کریں۔ طبرانی۔ ابونعیم اور ضیاء نے سند حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ سے اتنی محبت ہے کہ اپنے گھر بھی جاتا ہوں تو آپ ہی کو یاد کرتا رہتا ہوں اور جب تک پھر حاضر خدمت نہ ہو جاؤں۔ مجھے صبر نہیں آتا۔ مگر جب میں اپنی موت کو یاد کرتا ہوں اور آپ کی وفات کو یاد کرتا ہوں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ تو جنت میں انبیاء کے مقامات عالیہ میں ہوں گے اور میں اگر جنت میں پہنچ بھی گیا تو کسی نیچے درجے میں ہوں گا مجھے فکر یہ ہے کہ میں آپ کو کیسے دیکھوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر کچھ جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ جبرئیل امیں یہ آیت لیکر نازل ہوئے۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔

اس آیت میں بتلا دیا کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرتے رہنا کہ مسلمان انبیاء و صدیقین وغیرہ کے ساتھ ہی ہوں گے اور آیت مذکورہ میں اس کی تشریح ہو گئی کہ ان کو مقامات عالیہ میں بھی جانے کی اجازت ہو گی۔ الحقنا اللہ تعالیٰ بہم بمنہ وکرمہ

لڑکیوں کی پرورش کی فضیلت

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کے اخراجات برداشت کئے اور اُن کو ادب سکھلایا اور رحم و شفقت کا برتاؤ کیا یہانتک کہ وہ اُس کے خرچ سے بے نیاز ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنّت واجب فرما دیں گے۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں جن کی پرورش کی ہو تو اس بارے میں کیا حکم ہے۔ فرمایا "اس کے لئے بھی یہی فضیلت ہے"۔ راوی کہتے ہیں کہ اگر ایک لڑکی کے بارے میں سوال کیا جاتا تو آپ ایک کے لئے بھی یہی فضیلت بتاتے۔ (مشکوٰۃ)

حضورؐ نے فرمایا کہ افضل ترین صدقہ یہ ہے کہ تم اپنی لڑکی پر خرچ کرو، جو طلاق کی وجہ یا بیوہ ہو کر تمہارے پاس (شوہر کے گھر سے) واپس آگئی کہ تمہارے علاوہ کوئی اس کے لئے کمائی کرنے والا نہیں ہے۔

محمد تقی عثمانی

(۱۱)

(آخری قسط)

حضرت ابو ثعلبہ خُشنی رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب ایک قبر پر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا نام بھی لکھا ہوا ہے، ایک روایت بھی ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ داریا کے قبرستان میں مدفون ہیں، یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ داریا میں مقیم رہے ہیں، لیکن حافظ ابن عساکرؒ وغیرہ کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان کا مزار داریا میں نہیں، بلکہ دمشق کے "الباب الصغیر" کے قبرستان میں ہے[1] جس کا تذکرہ پیچھے کر چکا ہوں، اور اسی کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر بھی گذر چکا ہے۔

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ:

یہیں حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کا مزار بھی مشہور ہے، ان کا نام عبداللہ بن ثوب رحمۃ اللہ علیہ اور یہ امتِ محمدیہ (علی صاحبہا السلام) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرما دیا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتشِ نمرود کو گلزار بنا دیا تھا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے، اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک ہی میں اسلام لا چکے تھے، لیکن سرکارؐ کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعوے دار اسودِ عنسی پیدا ہوا۔ جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر

[1] تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۲۶۵ ج ۱۔

ایمان لانے کے لئے مجبور کیا کرتا تھا۔

اسی دوران اُس نے حضرت ابو مُسلم خولانیؒ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بُلایا، اور اپنی نبوّت پر ایمان لانے کی دعوت دی، حضرت ابومسلمؓ نے انکار کیا، پھر اس نے پوچھا کہ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟ حضرت ابو مُسلمؓ نے فرمایا: "ہاں"۔

اس پر اسودِ عنسی نے ایک خوفناک آگ دہکائی، اور حضرت ابو مسلمؒ کو اُس آگ میں ڈال دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے آگ کو بے اثر فرمادیا، اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسودِ عنسی اور اس کے رفقاء پر ہیبت سی طاری ہوگئی، اور اسود کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلا وطن کردو، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیرووں کے ایمان میں تزلزل نہ آجائے، چنانچہ انہیں یمن سے جلا وطن کر دیا گیا۔

یمن سے نکل کر ایک ہی جائے پناہ تھی، یعنی مدینہ منورہ، چنانچہ یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے، لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتابِ رسالت رو پوش ہو چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے تھے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن چکے تھے، انہوں نے اپنی اونٹنی مسجد نبویؐ کے دروازے کے پاس بٹھائی، اور اندر آکر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کردی۔ وہاں حضرت عمرؓ موجود تھے، انہوں نے ایک اجنبی مسافر کو نماز پڑھتے دیکھا تو ان کے پاس آئے، اور جب وہ نماز سے فارغ ہوگئے تو ان سے پوچھا:

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟"

"یمن سے"۔ حضرت ابو مسلمؒ نے جواب دیا۔

حضرت عمرؓ نے فوراً پوچھا: "اللہ کے دشمن (اسود عنسی) نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں ڈال دیا تھا، اور آگ نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا تھا، بعد میں اُن صاحب کے ساتھ اسود نے کیا معاملہ کیا؟"

حضرت ابو مسلمؒ نے فرمایا: "ان کا نام عبداللہ بن ثوب ہے"۔

اتنی دیر میں حضرت عمرؓ کی فراست اپنا کام کر چکی تھی، انہوں نے فوراً فرمایا:

"میں آپ کو قسم دیکر پوچھتا ہوں، کیا آپ ہی وہ صاحب ہیں؟"

حضرت ابو مسلم خولانیؒ نے جواب دیا: "جی ہاں!"

حضرت عمرؓ نے یہ سُنکر فرطِ مسرت و محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور انہیں لیکر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے، انہیں صدیق اکبرؓ کے اور اپنے درمیان بٹھایا، اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے موت سے پہلے امتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس شخص کی زیارت کرادی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ فرمایا تھا"۔ [۱]

---

[۱] حلیۃ الاولیاء لابی نعیمؒ ص ۱۲۹ ج ۲، و تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۳۱۵ ج ۷۔

حضرت ابو مسلم خولانیؒ عبادت و زُہد میں اپنی مثال آپ تھے، خود انہی کا یہ مقولہ ہے کہ: "اگر میں جنت کو کھلی آنکھوں دیکھ لوں تب بھی میرے پاس مزید کرنے کیلئے کوئی عمل نہیں، اور اگر جہنم کو کھلی آنکھوں دیکھ لوں تب بھی"۔[1] جہاد کا بھی بڑا شوق تھا، لیکن جہاد کے سفر میں بھی روزے رکھتے تھے، کسی نے کہا کہ "سفر میں روزے رکھنے سے آپ بہت کمزور ہو جائیں گے"۔ جواب میں آپ نے فرمایا: "وہی گھوڑے منزل کو پہنچتے ہیں جو چل چل کر دُبلے ہو گئے ہوں"۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا: "الحمد للہ، میں نے قضائے حاجت اور اہلیہ کے ساتھ خلوت کے سوا کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے بارے میں مجھے یہ فکر ہو کہ کہیں کوئی دوسرا نہ دیکھ لے"۔

حضرت ابو مسلمؒ غلاموں کو بھی بہت آزاد کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پاس صرف ایک کنیز رہ گئی تھی، ایک دن دیکھا کہ وہ رو رہی ہے، آپ نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ "آپ کے بیٹے نے مارا ہے"۔ آپ نے بیٹے کو بلایا، اور کنیز سے پوچھا کہ: "اس نے تمہیں کس طرح مارا تھا؟" کنیز نے کہا کہ "تھپڑ مارا تھا"۔ آپ نے فرمایا: "تم بھی اس کو تھپڑ لگاؤ"۔ کنیز بولی: "میں اپنے آقا کو نہیں مار سکتی"۔ حضرت ابو مسلمؒ نے پوچھا: "کیا تم نے اسے معاف کر دیا؟" اس نے کہا: "جی ہاں!" آپ نے فرمایا: "دنیا یا آخرت میں سے کہیں اپنا حق نہیں مانگو گی؟" کنیز نے اقرار کیا۔ حضرت ابو مسلمؒ نے فرمایا کہ "دو گواہوں کے سامنے اقرار کرو"۔ جب دو گواہ آگئے، اور کنیز نے اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا: "میں بھی ان گواہوں کے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ یہ کنیز اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے آزاد ہے"۔ لوگوں نے کہا کہ "آپ نے صرف ایک تھپڑ کی وجہ سے کنیز کو آزاد کر دیا، جبکہ آپ کے پاس کوئی دوسری خدمت گار بھی موجود نہیں ہے"۔ آپ نے فرمایا: "چھوڑو بھی، کاش! ہم برابر سرابر چھوٹ جائیں، نہ کسی کا حق ہم پر ہو، نہ ہمارا کسی پر"۔[2]

عمر کے آخری حصے میں آپ شام میں مقیم ہو گئے تھے، مستقل قیام یہیں داریا کی بستی میں تھا، لیکن اکثر جامع مسجد کی فضیلت کی خاطر نماز پڑھنے دمشق جایا کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا، آپ اکثر اُن کے پاس پہنچ جاتے، اور انہیں نصیحت بھی فرماتے اور بعض اوقات بڑے سخت الفاظ میں تنبیہ بھی، لیکن حضرت معاویہؓ ان کی ہر بات کی بیحد قدر فرماتے تھے، اور لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ "یہ جو کچھ کہیں انہیں ٹوکا مت کرو"۔

چونکہ آپ کا قیام داریا میں تھا، اس لئے ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی قبر یہیں پر ہے، اور یہ قبر جو ہمارے سامنے تھی، اسی روایت کے مطابق ہے۔ لیکن ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آپ رومیوں سے جہاد کی غرض سے روم کے علاقے میں تشریف لے گئے تھے، وہیں پر آپ کی وفات ہوئی[3] واللہ سبحانہ اعلم۔

حضرت حزقیل علیہ السلام کا مزار:

داریا کے اس چھوٹے سے

---

[1] ابن عساکر، حوالۂ مذکور [2] ایضاً ص ۳۱۹ [3] ایضاً۔

قبرستان سے کچھ دور ایک مکان کے بیرونی چبوترے پر ایک الگ تھلگ قبر بنی ہوئی ہے جس کے بارے میں یہاں مشہور ہے کہ یہ مشہور اسرائیلی پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام کی قبر ہے۔ یہ قبر بھی حضرت شعیب اور حضرت یوشع علیہما السلام کی قبروں کی طرح معمول سے بہت لمبی ہے، یہاں بھی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

تاریخی روایات کے مطابق حضرت حزقیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ تھے، پہلے خلیفہ حضرت یوشع علیہ السلام تھے، دوسرے حضرت کالب بن یوحنا اور تیسرے حضرت حزقیل علیہ السلام۔ موجودہ بائبل کے عہد نامۂ قدیم میں ایک صحیفہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے۔ قرآن کریم میں آپ کا اسم گرامی مذکور نہیں ہے، لیکن قرآن کریم نے سورۃ البقرہ میں ایک واقعہ بیان فرمایا ہے، جس کے بارے میں بعض تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ ہی سے متعلق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے بزرگوں سے یہ روایت منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت سے فرمایا کہ فلاں دشمن سے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ، تو وہ لوگ موت کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے، اور ایک دور افتادہ وادی میں یہ سمجھ کر مقیم ہو گئے کہ اب ہم موت سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ حرکت ناگوار ہوئی، اور ان پر موت طاری کر دی گئی، وہ سب کے سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔ ایک ہفتے کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا ان پر گذر ہوا تو آپ نے ان کی اس حالت پر افسوس کا اظہار فرمایا، اور دعا مانگی کہ الٰہ العالمین! ان کو موت کے عذاب سے نجات عطا فرما دے، تاکہ ان کی زندگی خود ان کے لئے اور دوسروں کیلئے عبرت اور بصیرت کا سامان بن جائے۔ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی، اور وہ لوگ زندہ ہو کر عبرت و بصیرت کا سامان بنے۔[1] قرآن کریم نے اس واقعے کو اس طرح بیان فرمایا ہے :-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے، پھر اللہ نے فرمایا کہ مرجاؤ، پھر ان کو زندہ کر دیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

مزۂ ملیں: داریا کے مختلف مقامات سے فارغ ہونے کے بعد ہم واپس دمشق کے لئے

---

[1] قصص القرآن ص ۱۹ و ۲۰ ج ۲ بحوالہ ابن کثیر ص ۳۴۴ ج ۲ و روح المعانی ص ۱۳۰ ج ۲ ۔

روانہ ہوئے، سردیوں کے دن تھے، اور نماز ظہر وہاں ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ہو رہی تھی، اور عصر کی اذان ڈھائی بجے کے قریب۔ چنانچہ دمشق میں داخل ہونے کے بعد ہم نے ایک جگہ نماز ظہر ادا کی۔ معلوم ہوا کہ اس محلے کا نام مِزّہ[1] ہے۔ اب تو یہ دمشق شہر ہی کا ایک محلہ ہے، لیکن ابتدا میں یہ دمشق سے باہر ایک مستقل بستی تھی جو اپنے حسن و جمال اور شادابی کیلئے مشہور تھی۔ علامہ حمویؒ لکھتے ہیں:۔

وهي قرية كبيرة غناء في وسط بساتين دمشق، بينها وبين دمشق نصف فرسخ۔[2]

یہ دمشق کے باغات کے بیچوں بیچ ایک بڑی بستی ہے جو گھنے درختوں سے ڈھکی ہوئی ہے، اور دمشق سے آدھے کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔

اس بستی میں بہت سے علماء پیدا ہوئے، جن میں سے حافظ ابوالحجاج مِزّی رحمۃ اللہ علیہ شاید سب سے زیادہ مشہور ہیں جن کی کتاب "تہذیب الکمال" صحاحِ ستہ کے اسماء الرجال پر اس وقت سب سے بڑے مأخذ کی حیثیت رکھتی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تلخیص کر کے پہلے "تہذیب التہذیب" پھر "تقریب التہذیب" تحریر فرمائی ہیں۔ انہی کی کتاب "تحفۃ الاشراف" اپنے دور میں صحاحِ ستہ کی جامع ترین انڈیکس ہے۔ حافظ مِزّیؒ بڑے بڑے مشہور علماء کے استاذ ہیں جن میں علامہ ابن تیمیہؒ، حافظ ذہبیؒ، حافظ سبکیؒ، حافظ بِرزالیؒ، علامہ ابن سید الناسؒ اور حافظ ابن کثیرؒ جیسے حضرات داخل ہیں۔ اور حافظ ابن کثیرؒ تو اُن کے داماد بھی تھے۔[3]

پھر مِزّہ کی بستی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مشہور صحابی حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی بستی کہلاتی تھی، اور یہیں پر اُن کا مزار بھی واقع ہے، چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ان کے مزار پر بھی حاضری ہوئی۔

حضرت دِحیہ کلبیؓ:

حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن صحابہ کرامؓ میں سے تھے جو اپنے حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے مشابہ قرار دیا تھا۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام جب کبھی انسانی شکل میں آتے تو عموماً حضرت دِحیہ کلبیؓ کی صورت اختیار فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ حضرت دِحیہؓ ایک گھوڑے پر سوار ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے پر ہاتھ رکھکر حضرت دِحیہؓ سے باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس واقعے کا ذکر آپؐ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ: "وہ تو

---

[1] میم کے نیچے زیر ہے اور زَ پر تشدید۔ [2] معجم البلدان للحموی ص ۱۲۲ ج ۵۔
[3] البدایۃ والنہایۃ ص ۱۹۱ و ۱۹۲ ج ۱۴۔

جبرئیل تھے۔ ؎۱

ایک روایت میں ہے کہ آپ اتنے حسین وجمیل تھے کہ جب کسی نئے علاقے میں جاتے تو نوجوان لڑکیاں آپکو دیکھنے کیلئے باہر نکل آیا کرتی تھیں۔ ؎۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو جو تبلیغی مکتوب روانہ فرمایا، وہ آپ ہی کے ذریعے روانہ فرمایا تھا۔ اس طرح آپؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی بننے کی بھی سعادت حاصل ہے۔ جب آپؓ قیصر کو خط پہنچا کر واپس مدینہ طیبہ آئے تو شام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کچھ پستہ، کچھ اخروٹ اور کعک ؎۳، ایک اونی جبہ اور دو چمڑے کے موزے بطور ھدیہ لیکر گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام تحفے قبول فرمائے۔ اور موزے تو اتنے پہنے کہ وہ پھٹ گئے۔ ؎۴

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مصر کا کچھ باریک سوتی کپڑا آیا جسے قبطیہ کہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹکڑا حضرت دحیہؓ کو بھی دیا، اور فرمایا کہ اس کے دو حصے کرلینا، ایک میں اپنی قمیص بنالینا، اور دوسرا حصہ اپنی اہلیہ کو دیدینا کہ وہ اپنی اوڑھنی بنالیں۔ حضرت دحیہؓ کپڑا لیکر جانے لگے تو آپ نے انہیں دوبارہ بلاکر فرمایا: "اپنی اہلیہ سے کہنا کہ وہ اس کے نیچے کوئی استر لگالیں، تاکہ کپڑے سے جسم نہ جھلکے۔" ؎۵

ان تمام واقعات سے آپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس خصوصی شفقت کا پتہ چلتا ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔

آپ غزوۂ بدر کے بعد تقریباً ہر جہاد میں شامل رہے، یرموک کے معرکے میں بھی شریک تھے، بعد میں مزہ میں قیام اختیار فرمالیا تھا۔ اور وہیں پر وفات پائی۔

علماء کا اجتماع:

مزہ سے ہم واپس اپنے ہوٹل آگئے۔ شام کو مجھے بعض کتب خانوں میں جانا تھا، چنانچہ عشاء تک میں مختلف کتب خانوں میں مصروف رہا۔ رات کو توحید صاحب (قونصل جنرل پاکستان) نے اپنے مکان پر احقر سے ملاقات کرانے کے لئے دمشق کے معروف علماء کو کھانے پر مدعو کیا تھا۔ چنانچہ عشاء کے بعد ہم وہاں چلے گئے۔ جو اہل علم وہاں موجود تھے ان میں شیخ سعید رمضان البوطی،

؎۱ طبقات ابن سعد ص ۲۵۰ ج ۴ ؎۲ المصباح المضیئ، لابن ابی حدیدہ ص ۲۶۸ ج ۱ ؎۳ "کعک" ایک خاص قسم کی خشک اور گول روٹی ہوتی تھی جس کے بیچ میں حلقے کی طرح خلا ہوتا تھا، شام کی یہ روٹی قدیم زمانے سے مشہور تھی، اور بسکٹ یا کیک کی طرح پسند کی جاتی تھی، اور لوگ اسے تحفے میں دیا کرتے تھے (تاج العروس ص ۱۷۲، ج ۷) ؎۴ المصباح المضیئ ص ۲۶۸ ج ؎۵ ابن عساکر ص ۲۱۹ ج ۵ بحوالہ ابوداؤد۔

ڈاکٹر فتحی الدرینی، شیخ ابراہیم السلقینی، شیخ نور الدین عتر، ڈاکٹر مصطفیٰ الزحیلی (جو ڈاکٹر وھبہ الزحیلی کے بھائی ہیں) شیخ عبداللطیف الفرفور وغیرہ شامل ہیں۔ یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ توحید صاحب نے (جو ماشاء اللہ دینی جذبے کے حامل افسر ہیں) یہاں کے تمام اہلِ علم سے بڑا اچھا ربط پیدا کیا ہوا ہے، ہمارے تمام بیرونی سفارت خانوں میں ایسے جذبے کے افسران پہنچ جائیں تو وہ عام شکایت دُور ہو جائے جو ہمارے سفارت خانوں کے بارے میں زبان زد ہو چکی ہے۔

بہرکیف! یہ بڑا پُر لطف اجتماع رہا، اس میں بہت سے علمی مسائل پر بھی گفتگو ہوئی، یہ سب حضرات پاکستان کے حالات سُننے، بالخصوص یہاں نفاذِ شریعت کی کوششوں کا حال معلوم کرنے کے بیحد مشتاق تھے، چنانچہ احقر نے مختصراً قیامِ پاکستان کا پس منظر، نفاذِ شریعت کے لئے علماء کی جدوجہد اور اس کے نتائج کے روشن اور تاریک پہلو ان حضرات کے سامنے بیان کئے جنہیں انہوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ سُنا، اور اس تأثر کا اظہار تقریباً ہر شخص نے کیا کہ ہم سب کی نگاہیں پاکستان پر لگی رہتی ہیں، اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہی ایک ایسا ملک ہے جو نفاذِ شریعت کی مثال قائم کرنے میں نمایاں کردار ادا کر سکتا ہے ــــ کاش کہ ہم پاکستان کے باشندے باہر کے مسلمانوں کے ان جذبات کا پاس کر سکتے، کاش کہ ہمارے پاس ان کیلئے یہ جواب ہوتا کہ انشاء اللہ اہلِ پاکستان آپ کی ان امیدوں پر پورے اُتریں گے۔ کاش کہ ہم اُن سے یہ کہنے کے قابل ہوتے کہ عالمِ اسلام جس روزِ سعید کے انتظار میں ہے اُس کی صبح پاکستان میں طلوع ہو رہی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ صرف تمناؤں سے تلخ حقائق تبدیل نہیں ہو سکتے، لہٰذا ایسے سوالات کے جواب میں روشن پہلوؤں کے ساتھ تلخ حقائق بھی بیان کرنے ہی پڑتے ہیں، اور خدا جانے کب تک بیان کرنے پڑیں گے۔

شام کی حالت دینی اعتبار سے جیسی کچھ ہے، وہ سبھی کو معلوم ہے، اس کا بھی تذکرہ آیا، لیکن یہ حضرات اس موضوع پر کھُل کر بات کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں، اور پاکستان کے موجودہ حالات کو بھی اپنے ملک کے لحاظ سے غنیمت سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے شام کے دینی حلقوں کو اس آزمائش سے بعافیت رہائی عطا فرمائیں، آمین۔

عشاء کے بعد سے رات کے ۱۱ بجے تک یہ مجلس جاری رہی۔ اس کے بعد ہم ہوٹل واپس آئے۔

دمشق کا عجائب گھر:

اگلا دن دمشق میں ہمارے قیام کا آخری دن تھا، صبح ناشتے کے فوراً بعد ہم نے دمشق کے عجائب گھر جانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ یہ عجائب گھر ہوٹل کے قریب ہی واقع تھا، اس لئے ہم پیدل ہی روانہ ہوئے۔ دکٹوریہ کی مرکزی شاہراہ سے ذرا ہٹ کر ایک گلی سے گذر ہوا۔ یہ گلی اس وقت ہاتھ کے بنے ہوئے فرنیچر اور دستکاری کا مرکز ہے۔ اسی گلی کے بیچ میں ایک ترکی دور کی بنی ہوئی قدیم عمارت ہے۔ معلوم ہوا کہ ترکی خلافت کے دور میں یہ ایک بڑا مدرسہ تھا، عمارت اگرچہ پُرانی ہو چکی ہے، لیکن اس کا حُسن اور شکوہ

ابھی تک برقرار ہے۔ اس کے صدر دروازے سے داخل ہوں تو سامنے ایک وسیع صحن ہے، اور اس کے دونوں طرف برآمدے اور برآمدے کے اندر کمروں کی قطاریں ہیں، اندازے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمرے طلبہ کی رہائش کیلئے استعمال ہوتے ہوں گے۔ پھر صحن کو عبور کرکے کئی بڑے بڑے ہال ہیں جو شاید درس گاہوں کے طور پر استعمال ہوتے ہوں گے۔

آج یہ عمارت ویران پڑی ہے، کسی کسی کمرے میں فرنیچر والوں نے اپنا گودام بنا رکھا ہے لیکن اس کے در و دیوار سے علم کی خوشبو پھوٹتی محسوس ہوتی ہے۔ خدا جانے یہاں کتنے عرصے تک کیسے کیسے اہلِ علم کے فیوض جاری رہے ہیں، لیکن آج کوئی اس مدرسے کا نام اور اس کی تاریخ بتانے والا بھی موجود نہیں ہے۔ ماعندکم ینفد وماعند اللہ باق۔

اس مدرسے سے نکل کر ہم پھر مرکزی سڑک پر آگئے۔ قریب ہی عجائب گھر کی شاندار عمارت تھی۔ خیال یہ تھا کہ دمشق انتہائی قدیم شہر ہے، لہٰذا یہاں کا عجائب گھر یقیناً قدیم تاریخی اشیاء سے مالا مال ہوگا۔ لیکن اندر جاکر اندازہ ہوا کہ یہ عام شہروں کے روایتی عجائب گھروں سے مختلف نہیں ہے۔ بنوامیہ کے بعض خلفاء (عبدالملک بن مروان اور ھشام بن عبدالملک) کی زرہوں اور تلواروں کے سوا یہاں کوئی خاص دل چسپی کی چیز موجود نہیں تھی۔ عجائب گھر زیادہ تر بازنطینی دور کی یادگاروں سے بھرا ہوا تھا جن سے ہمیں کوئی خاص دل چسپی نہ تھی۔

اس روز دوپہر کو ہمارے دوست شیخ عبداللطیف الفرفور صاحب نے دوپہر کے کھانے پر ہمیں مدعو کیا ہوا تھا، اور دس بجے کے قریب ہی اپنے ایک شاگرد کو ہمارے پاس بھیج دیا تھا، تاکہ وہ شہر کے کاموں میں ہماری مدد بھی کریں، اور بعد میں ہمیں کھانے کی جگہ پر بھی لے جائیں۔

حضرت معاویہؓ کے مزار پر:

چنانچہ ان کی معیت میں پہلے ہم نے جامع دمشق اور سوق الحمیدیہ کے آس پاس کچھ خریداری کی۔ شام کی قدیم طرز کی مٹھائیاں یہاں کی خاص چیز ہیں، جو خشک میوے سے مختلف طریقوں سے بنائی جاتی ہیں، وہ لی گئیں۔ اسی دوران ہمارے رہنما نے بتایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مزار بھی اسی علاقے میں ایک مکان کے اندر واقع ہے، چنانچہ وہ ہمیں کئی پیچ در پیچ گلیوں سے گذارتے ہوئے ایک پرانے طرز کے بوسیدہ مکان کے پاس لے گئے۔ دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک عمر رسیدہ خاتون نے جواب دیا۔ ہمارے رہنما نے ان سے کہا کہ پاکستان سے کچھ لوگ آئے ہیں، اور مزار کی زیارت کرنا چاہتے ہیں، لیکن خاتون نے جواب دیا کہ اس کے لئے محکمۂ اوقاف سے اجازت نامہ لانا ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ اس مزار کو حکومت نے عام زیارت کے لئے بند کر رکھا ہے، اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بعض روافض یہاں آکر شرارت اور مزار کی بے حرمتی کا ارتکاب کرتے تھے۔ لہٰذا محکمۂ اوقاف نے یہ پابندی لگادی ہے کہ اجازت نامے کے بغیر کسی کو اندر نہ بھیجا جائے۔

لیکن ہمارے ساتھ پاکستانی سفارت خانے کے عنایت صاحب بھی تھے، انہوں نے اور ہمارے رہنما نے مل کر خاتون کو مطمئن کرنے کی کوشش کی، اور احقر کا تعارف کرایا، اس پر خاتون نے اندر جانے کی اجازت دے دی۔

یہ ایک پرانے طرز کا مکان تھا جس کے لمبوترے صحن سے گذر کر ایک بڑا سا کمرہ نظر آیا جس میں چند قبریں بنی ہوئی تھیں، ان میں سے ایک قبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی بتائی جاتی ہے۔ یہاں سلام عرض کرنے کی توفیق ہوئی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیاسی موقف چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف تھا، اور جمہور اہلِ سنّت کے نزدیک حق حضرت علی رضؓ کے ساتھ تھا، اس لئے ان کے مخالفین، بالخصوص روافض کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل گیا، اور ان کے خلاف الزامات و اتہامات کا ایک طومار لگا دیا گیا جس میں ان کے فضائل و مناقب چھپ کر رہ گئے۔ ورنہ وہ ایک جلیل القدر صحابی، کاتبِ وحی، اور ایسے اوصافِ حمیدہ کے مالک تھے کہ آج ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے جب حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ "حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟" تو آپ نے جواب دیا کہ: "حضرت معاویہؓ کی ناک کی خاک بھی عمر بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے"۔ احقر نے ان کے خلاف لگائے گئے الزامات پر اپنی کتاب "حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق" میں تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ اور میرے برادر زادہ عزیز گرامی مولانا محمود اشرف عثمانی نے حضرت معاویہؓ کی سیرت اور مناقب پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے جو اسی کتاب کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ:

دمشق کے قیام میں جتنے کام پیشِ نظر تھے، بحمداللہ وہ تقریباً سب پورے ہو چکے تھے، البتہ ایک خواہش ابھی باقی تھی۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ سے ہم طالب علموں کا تعلق خاطر محتاجِ بیان نہیں ہو سکتا، ان کی کتاب "ردّالمحتار" اس وقت حنفی مفتیوں کا سب سے بڑا ماخذ ہے، جس سے دن رات استفادے کی نوبت آتی رہتی ہے، خواہش تھی کہ ان کے مزار پر بھی حاضری ہو، لیکن عنایت صاحب جو ابتک ہماری رہنمائی کرتے رہے تھے، ان کے مزار کے محلِ وقوع سے واقف نہ تھے۔ اب شیخ فرفور کے شاگرد جو آج میسر آئے، انہوں نے بتایا کہ وہ مزار سے واقف ہیں۔

چنانچہ سوق الحمیدیہ سے ہم ایک مرتبہ پھر "الباب الصغیر" کے قبرستان کی طرف گئے، وہاں قبرستان کے مرکزی دروازے کے بائیں جانب ایک چھوٹا سا احاطہ بنا ہوا ہے جس کا دروازہ بھی الگ ہے۔ اس میں علامہ شامیؒ اور ان کے اہل خاندان آرام فرما ہیں۔

سب سے پہلے علامہ شامیؒ کے مزار پر حاضری ہوئی۔ اور محبت و عقیدت کے جذبات کے ساتھ سلام عرض کرنے اور ایصالِ ثواب کا موقع ملا۔

علّامہ شامیؒ کا نام محمد امین ابن عابدینؒ ہے، اور ۱۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے تھے، آپ کے والد تاجر تھے، اور بچپن میں قرآن کریم حفظ کر لیا تھا، حفظ کے بعد والد نے ان کو تجارت کی تربیت کے لئے دکان پر بٹھانا شروع کر دیا۔ یہ وہاں بیٹھ کر بلند آواز سے تلاوت کرتے رہتے تھے۔ ایک دن بیٹھے ہوئے تلاوت کر رہے تھے کہ ایک اجنبی وہاں سے گذرے، انہیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا کہ تمہارا اس طرح پڑھنا دو وجہ سے جائز نہیں ہے، اول تو اس لئے کہ یہ بازار ہے، اور لوگ یہاں آپ کی تلاوت نہیں سن سکتے، اور آپ کی وجہ سے گناہگار ہوں گے جس کا گناہ آپ کو ہوگا، اور دوسرے اس لئے کہ آپ کی تلاوت میں غلطیاں کافی ہیں۔

بس علّامہ شامیؒ اسی وقت دکان سے اٹھے، اور اپنے زمانے کے شیخ القراء شیخ سعید الحمویؒ کے پاس پہنچ گئے، اور ان سے قرات و تجوید سیکھنے کی درخواست کی، انہوں نے پڑھانا منظور فرمالیا، اور انہوں نے نابالغی ہی میں قرات و تجوید کی اہم کتابیں میدانیہ، جزریہ اور شاطبیہ زبانی یاد کرلیں، اور قرأت و تجوید میں ماہر ہو گئے۔

اس واقعے سے علم کا چسکا تو لگ چکا تھا، چنانچہ بعد میں تمام دینی علوم وقت کے بڑے بڑے اساتذہ سے حاصل کئے، اور اس کے بعد تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے، اور بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں۔ آپ کا خصوصی موضوع فقہِ حنفی تھا، اس لئے آپ کی زیادہ تر کتابیں فقہِ حنفی پر ہیں۔ جن میں سے "الدر المختار" کی شرح "رد المحتار" جو فتاویٰ شامی کے نام سے مشہور ہے، سب سے زیادہ جامع اور مفصّل کتاب ہے، اور بارھویں صدی ہجری کے بعد تو حنفی مسلک کے مفتیوں کا سب سے بڑا ماخذ بن گئی، اس لئے کہ فقہِ حنفی کی تنقیح و تحقیق میں یہ کتاب بے نظیر ہے، اور اس میں علّامہ شامیؒ نے ایک ایک مسئلے کی تحقیق میں بیسیوں کتابوں کی ورق گردانی فرمائی ہے، اور محض متاخرین کی نقل پر اعتماد کرنے کے بجائے اصل ماخذ کی طرف رجوع کر کے ہر مسئلے کی تحقیق کی ہے۔

فقہ و فتویٰ میں تو علّامہ شامیؒ اپنے دور کے شاید سب سے بڑے مرجع تھے ہی، عبادات و طاعات اور حسنِ اخلاق میں بھی آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ ہمیشہ باوضو رہتے تھے، رمضان شریف میں ہر رات ایک قرآن کریم ختم کرنے کا معمول تھا۔ اپنی تجارت اپنے ایک شریک کے سپرد کر رکھی تھی، وہی آپ کا ذریعۂ آمدنی تھا، اور خود علمی اور عملی کاموں میں مصروف رہتے تھے، صدقات و خیرات میں بہت حصہ لیتے رہتے تھے۔ آپ کے علمی رعب سے حکّام وقت بھی متأثر تھے، اگر کوئی قاضی خلافِ شرع فیصلہ کر دیتا اور علّامہ شامیؒ اپنے فتوے میں اس فیصلے کو خلافِ شرع قرار دیدیتے تو قاضی کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑتا تھا۔

علّامہ شامیؒ نے کل چون سال عمر پائی، اور ۱۲۵۲ھ میں وفات ہوئی۔ وفات سے تقریباً بیس دن پہلے انہوں نے اپنی قبر کی جگہ خود منتخب کر لی تھی، کیونکہ اس جگہ درمختار کے مؤلف علّامہ حصکفیؒ مدفون تھے۔ علّامہ شامیؒ انہی کے قریب دفن ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق وہیں

پر آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کی والدہ آپ کی وفات کے وقت زندہ تھیں، اور دو سال مزید زندہ رہیں۔ وہ نہایت خدا رسیدہ خاتون تھیں، جن کا سلسلۂ نسب مشہور محدث علامہ داؤدیؒ سے ملتا ہے۔ اپنے لائق بیٹے کے انتقال پر عام عورتوں کی طرح انہوں نے جزع فزع بالکل نہیں کیا، لیکن جب تک زندہ رہیں، ہر ہفتے ایک لاکھ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اپنے محبوب بیٹے کو ایصالِ ثواب کرتی رہیں۔[1]

علامہ شامیؒ کے پوتے مفتی ابو الیسر ابھی چند سال پہلے تک حیات تھے، اور میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ جب دمشق تشریف لے گئے تھے تو ان سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔

علامہ شامیؒ کے برابر میں فقہِ حنفی کی مشہور کتاب "الدر المختار" کے مصنف علامہ محمد علاء الدین حصکفی[2] رحمہ اللہ کا مزار ہے جن کی کتاب کی شرح علامہ شامیؒ نے فرمائی ہے، ان کی وفات ۱۰۸۸ھ میں ہوئی تھی۔

انہی کے قریب علامہ شامیؒ کے فاضل صاحبزادے علامہ علاؤ الدین ابن عابدینؒ کا مزار ہے جو فقہِ حنفی میں اپنے والد کے صحیح وارث تھے۔ انہوں نے اپنے والد کی کتاب "رد المحتار" کا تکملہ بھی لکھا ہے، اور ترکی کی خلافتِ عثمانیہ نے جب عدالتوں کیلئے فقہِ حنفی کی بنیاد پر اسلامی قانون کی تدوین کا کام شروع کیا تو علامہ علاؤ الدینؒ کی سرکردگی میں اس غرض کے لئے علماء کی ایک جماعت بنائی تھی جس نے یہ قانون "مجلۃ الأحکام العدلیۃ" کے نام سے مدون کیا، یہ قانون نہ صرف ترکی، بلکہ بہت سے اسلامی ملکوں میں سالہا سال نافذ رہا، کویت اور اردن وغیرہ میں چند سال پہلے تک دیوانی قانون کے طور پر یہی "مجلہ" نافذ تھا۔

علامہ علاؤ الدینؒ طرابلس (لبنان) کے قاضی بھی رہے، اور دمشق کی مجلس المعارف کے صدر بھی۔ ان کی تالیفات میں نور الایضاح کی ایک شرح معراج النجاح بھی داخل ہے۔[3]

ان تینوں بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے کے بعد ہم شیخ عبد اللطیف الفرفور کے یہاں کھانے پر حاضر ہوئے۔ عرب ممالک میں اہلِ شام کا ذوق کھانوں کے معاملے میں سب سے بہتر ہے، اور یہاں کے کھانے پورے عرب ممالک میں مشہور اور ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ شیخ فرفور نے شامی کھانوں کا بہترین انتخاب جمع کیا ہوا تھا۔ یہاں کھانے کی محفل بھی بڑی دلچسپ رہی۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے عصر ہو گئی، اور عصر کے بعد ہم ہوٹل پہنچے۔

ہوٹل پہنچے تو جامعۃ دمشق کے اساتذہ میں سے شیخ نور الدین عتر اور شیخ ابراہیم السلقینی کو اپنا منتظر پایا۔ وہ الوداعی ملاقات کیلئے تشریف لائے تھے، اور دونوں حضرات اپنی بعض تصانیف

---

[1] علامہ شامیؒ کے یہ تمام حالات ان کے صاحبزادے علامہ علاؤ الدینؒ نے تکملۂ رد المحتار کے شروع میں بیان فرمائے ہیں۔ [2] یہ حصن کیفا کی طرف نسبت ہے۔ [3] الأعلام للزرکلی ص ۱۵۲ ج ۷۔

بطور ھدیہ بھی لیکر آئے تھے۔ مغرب تک ان کے ساتھ گفتگو رہی۔

میں نے رات بارہ بجے دمشق سے کراچی کیلئے ہوائی جہاز کی نشست مخصوص کرا رکھی تھی، دوسرے رفقاء (قاری بشیر احمد صاحب، مولوی امین اشرف صاحب اور مولوی عطاء الرحمٰن صاحب) کو واپس بذریعہ کار مدینہ طیبہ جانا تھا۔ لیکن عشاء کے بعد معلوم ہوا کہ جہاز لیٹ ہے، اور متعین وقت رات گئے تک معلوم نہ ہو سکا۔ اس دوران پاکستانی سفارت خانے کے ڈیفنس اتاچی جو ہمارے دورانِ قیام کسی کام سے دمشق گئے ہوئے تھے، واپس آ گئے، اور ہوٹل ملنے کے لئے تشریف لائے اور بڑے اصرار سے رات کے کھانے کیلئے اپنے گھر لیگئے، وہاں توحید صاحب بھی موجود تھے، رات کے گیارہ بجے وہاں سے واپسی ہوئی، بارہ بجے کے قریب پتہ چلا کہ جہاز صبح ۵ بجے جائیگا۔ چنانچہ وہ رات تقریباً جاگتے ہی گذری۔ صبح ۳ بجے کے قریب عنایت صاحب لینے کیلئے آ گئے، اور ہم دمشق ایرپورٹ پہنچے، صبح ہوتے جہاز روانہ ہوا، اور عمان کے راستے تقریباً ۵ گھنٹے میں الحمدللہ بخیر و عافیت وطن واپسی ہو گئی۔

مجموعی تأثر:

جبلِ اُحد سے جبلِ قاسیون تک کا یہ سفر میرے انتہائی یادگار سفروں میں سے ہے جس کا ہر مرحلہ دلچسپ، مفید اور بابرکت ثابت ہوا، اور جس کے ذریعے انبیاءؑ و صحابہؓ کی اس سرزمین کی زیارت کا شوق پورا ہوا۔

شام علمی اور دینی اعتبار سے عالمِ اسلام کا اہم ترین خطہ رہا ہے، یہاں علم اور دین کی روایات اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ قائم اور باقی رہی ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا حسنِ اخلاق اسلامی اخلاق کا نمونہ سمجھا جاتا تھا، ان کی ہر بات میں لطافت و نظافت اور دل کشی تھی۔ یہاں تک کہ استعمار کے دنوں میں بھی شام کی یہ روایات بڑی حد تک باقی ہیں، لیکن جب سے یہاں بعث پارٹی کی ۔ اور بالخصوص حافظ الاسد کی ۔ حکومت آئی، اس نے یہاں کے دینی حلقوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ حافظ الاسد عقیدۃً نُصیری ہیں جو روافض کا انتہائی غالی فرقہ ہے، اور سیاسی و معاشی نظریات میں کمیونزم کو اپنا آئیڈیل سمجھتے ہیں۔ اس حکومت نے پورے ملک کو ایک وسیع جیل خانے میں تبدیل کر کے یہاں کے نہایت متقی، علماء اور مسلمان زعماء کو اتنی اذیتیں پہنچائیں کہ ان کی ایک بہت بڑی تعداد کو جلاوطن ہونا پڑا، اور آج شام کی بہت سی اہم شخصیتیں مختلف مسلمان ملکوں میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہی ہیں، تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد حکومت کو دینی حلقوں کا صفایا کرنے کیلئے ایک دورہ سا پڑتا ہے جس میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمان لقمۂ اجل یا بدترین اذیتوں کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ حمیٰ کے شہر میں علماء کا جس طرح قتلِ عام ہوا، اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

ان حالات میں جبکہ سالہا سال سے دینی حلقوں کے گلے گھٹے ہوئے ہیں، اور معاندِ اسلام

قوتیں پوری طاقت سے سرگرم عمل ہیں، یہاں کی عام دینی فضا کو بہت متأثر ہونا چاہئے تھا، لیکن یہ اسلام ہی کا معجزہ ہے کہ ہزار کوشش کے باوجود دلوں سے ایمان کو کھرچا نہیں جا سکا، اب بھی ماشاءاللہ مسجدیں آباد نظر آتی ہیں، لوگوں میں نماز روزے ہی کا نہیں، دین کی باتیں سننے اور دینی حلقوں میں بیٹھنے کا ذوق خاصا ہے۔ حکومت کی طرف سے عورتوں کے دوپٹے زبردستی اُتارنے کی تحریک شروع کی گئی، لیکن بڑی حد تک ناکام رہی، اب بھی دمشق کی سڑکوں پر صرف دوپٹے نہیں، باقاعدہ روایتی برقعے بھی خاصی بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں۔

جو علماء اب شام میں مقیم ہیں، ان کی حکمتِ عملی یہ ہے کہ وہ سیاست سے بالکل الگ ہو کر خالصۃً تعلیم و تبلیغ میں مشغول ہیں، اور ان حالات میں یہی وہ حکمتِ عملی ہے جس کے ذریعے یہاں مسلمانوں کے دین و ایمان کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ قدیم دینی مدارس سب ختم کر دیئے گئے، اور باقاعدہ دینی تعلیم صرف کالجوں اور یونیورسٹیوں کے شعبۂ اسلامی علوم میں حاصل کی جا سکتی ہے، لیکن اوّل تو ان اداروں میں بعض اساتذہ بڑے متصلب اور قوی الاستعداد موجود ہیں، دوسرے مختلف علماء نے اپنی مساجد میں یا گھروں پر انفرادی طور سے دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے، اس لئے اسلامی علوم کا چرچا بالکلیہ ختم نہیں ہو سکا۔ علماء دینی موضوعات پر کتابیں بھی لکھ رہے ہیں، اور وہ بڑی حد تک آزادی سے چھپ رہی ہیں۔

لہٰذا بحیثیتِ مجموعی حالات افسوسناک ضرور ہیں، مگر مایوس کن نہیں، باطل کی زور زبردستی ایک نہ ایک دن انشاءاللہ ختم ہوگی، اور عالمِ اسلام کا یہ جنت نظیر حصہ انشاءاللہ پھر سے اپنی گمشدہ آب و تاب حاصل کرے گا۔

جناب محمد الیاس صاحب مدرس اشرف المدارس
فیصل آباد

آذان سے قبل یا بعد صلوٰۃ وسلام

شرعی حیثیت

صلوٰۃ وسلام پڑھنا ایک عبادت ہے۔ اور ہر عبادت کے لئے کچھ قیودات اور پابندیاں ہوتی ہیں اس لئے صلوٰۃ وسلام کے لئے کچھ پابندیاں اور آداب ہیں۔ کوئی بھی عبادت ہو جب تک اس کے آداب ملحوظ نہیں ہوں گے وہ موجب اجر وثواب نہیں بلکہ موجب گناہ ہو جاتی ہے اگر کوئی مسلمان صلوٰۃ وسلام بیت الخلا میں پڑھے یا نماز میں قیام و رکوع وسجدہ میں پڑھے تو سخت گنہ گار ہو گا۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ یہ ارکان اگر نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے ہوئے یا بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ادا کئے جائیں گے تو یقیناً اجر وثواب بھی ملیگا اور خدا کا قرب بھی حاصل ہو گا لیکن اگر کسی رکن کی ادائیگی میں ہم اپنی طرف سے کچھ کمی زیادتی کر دیں تو وہی کام قابلِ مواخذہ جرم بن جائیگا۔ اذان بھی ایک ایسا کام اور عبادت ہے جسکی مشروعیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی اور تا دم آخر اس پر عمل ہوتا رہا تین مؤذن آپ کے زمانے کے مشہور رہے۔ حضرت بلال رضؓ حضرت ابو محذورۃ رضؓ اور حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضؓ۔ ان میں سے کسی مؤذن سے ثابت نہیں کہ انہوں نے اذان واقامت کے درمیان یا آذان سے پہلے، الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وغیرہ، پڑھا ہو جس طرح کہ آجکل پنجاب میں رواج ہے۔ ہاں فجر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ کو الصلوٰۃ خیر من النوم دو مرتبہ زیادہ کرنے کا حکم دیا تھا جو اب تک جاری ہے اور اس میں کسی مسلمان کا اختلاف بھی نہیں جب سب سے اول مؤذنین میں سے کسی ایک نے بھی آذان واقامت کے درمیان مروجہ صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھا تو ظاہر ہے کہ یہ سنت نہیں بلکہ بدعت ہے اور مردود۔ صحیح مسلم شریف میں

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.
یعنی بدترین عمل وہ نئی چیزیں ہیں جو خود ایجاد کی جائیں اور ہر نو ایجاد عبادت گمراہی ہے۔ صحابی رسول حضرت حذیفہؓ نے فرمایا۔ كُلُّ عِبَادَةٍ لَمْ يَتَعَبَّدْهَا أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَعَبَّدُوْهَا (الی) وَخُذُوْا بِطَرِيْقِ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ. یعنی جس طرح کی عبادت صحابہ کرام نے نہیں کی تم بھی اسے عبادت نہ سمجھو بلکہ اپنے اسلاف صحابہ کا طریق اختیار کرو۔ (کتاب الاعتصام للشاطبی)

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا: اِتَّبِعُوْا آثَارَنَا وَلَا تَبْتَدِعُوْا فَقَدْ كُفِيْتُمْ.
یعنی تم لوگ ہمارے (صحابہ کرام کے) آثار کا اتباع کرو اور نئی نئی عبادتیں نہ گھڑو کیونکہ تم سے پہلے عبادت کا تعین ہو چکا ہے۔ اس قسم کے احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں اپنی طرف سے کسی طرح کی کمی زیادتی جائز نہیں ہے اگر کسی نے کر دی تو وہ مردود ہے۔

تثویب اذان و اقامت کے درمیان الصلوٰۃ والسلام علیک الخ کی بدعت جاری رکھنے کے لئے تثویب کا سہارا لیا جا رہا ہے اور مبتدعین کا کہنا ہے کہ یہ بطور تثویب کہا جاتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ تثویب کے معنی ہیں اِعلام بَعْدَ الْاِعلام یعنی اطلاع کے بعد دوبارہ اطلاع دینا۔ جبکہ صلوٰۃ وسلام کئی مساجد میں اذان و اقامت کے درمیان پڑھا جاتا ہے اور کئی مساجد میں اذان سے قبل دوسرے یہ کہ سپیکر نہ ہونے یا بجلی بند ہونے کی صورت میں جب کہ تثویب کی زیادہ ضرورت ہونی چاہیئے صلوٰۃ وسلام نہیں پڑھا جاتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعتِ محضہ ہے جسے بعض عناصر نے اپنے مخصوص مفادات کے پیش نظر گھڑا ہے۔ اور پھر سادہ لوح مسلمانوں نے اسے اذان کا جزو بنا دیا۔ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کی سنت نہیں بلکہ ایک آزاد منش بادشاہ نے یہ رسم رائج کی تھی۔ درمختار میں ہے۔ اَلتَّسْلِيْمُ بَعْدَ الْاَذَانِ حَدَثَ فِيْ رَبِيْعِ الْآخِرِ سَنَةَ سَبْعِمِائَةٍ وَاِحْدٰى وَثَمَانِيْنَ فِيْ عِشَاءِ لَيْلَةِ الْاِثْنَيْنِ ثُمَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ بَعْدَ عَشَرَ سِنِيْنَ حَدَثَ فِي الْكُلِّ اِلَّا الْمَغْرِبِ ثُمَّ فِيْهَا مَرَّتَيْنِ وَهُوَ بِدْعَةٌ حَسَنَةٌ. یعنی صلوٰۃ وسلام اذان کے بعد ربیع الثانی ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا پہلے صرف پیر کی رات کو کہا جاتا تھا پھر جمعہ کے روز کہا جانے لگا پھر دس سال بعد تمام نمازوں میں سوائے مغرب کے کہا جانے لگا پھر مغرب میں بھی دو مرتبہ کہا جانے لگا یہ ایک اچھی بدعت ہے۔ پھر شامی میں علامہ سخاوی کے حوالہ سے یہ بات کہی گئی ہے کہ انہ فی سنۃ ۷۹۱ھ وان ابتداءہ کان فی ایام السلطان الناصر صلاح الدین بامرہ۔ یعنی صلوٰۃ وسلام ۷۹۱ھ میں ایجاد کیا گیا (یعنی اذان و اقامت کے درمیان) اور اس کی ابتدا سلطان ناصر صلاح الدین کے زمانہ میں اس کے حکم سے ہوئی۔ ان دونوں عبارتوں سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ مروجہ صلوٰۃ وسلام اذان و اقامت کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء

راشدین کے زمانہ میں نہ پایا جاتا تھا بلکہ تقریباً آٹھ سو سال بعد اسے گھڑا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ کسی مذہبی پیشوا اور امام کی طرف سے اس کو مستحسن قرار نہیں دیا گیا اور نہ ہی اس کی اختراع ان میں سے کسی نے کی ہے بلکہ ایک بادشاہ جس کا نام ناصر صلاح الدین ہے نے اسکا حکم دیا تھا جسے بعد میں بغیر تحقیق کے کچھ لوگوں نے اپنا لیا۔ باقی رہا علامہ شامیؒ کا اسے بدعۃ حسنہ کہنا تو اس کی وجہ یہ ہے مصر میں جب روافض (شیعہ) کا دور تھا تو اذان کے بعد خلیفۂ وقت اور اس کے وزراء پر سلام پیش کیا جاتا تھا حتی کہ خلیفہ کے فوت ہو جانے کے بعد لوگوں نے جب اسکی ہمشیرہ کو اپنا خلیفہ مان لیا تو اب اس عورت اور اس کے وزراء پر حسب سابق آذان کے بعد سلام پیش کیا جانے لگا پھر جب صلاح الدین بن ایوب برسرِ اقتدار آیا تو اس نے مؤذنوں کو حکم جاری کیا کہ صلوٰۃ وسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جایا کرے کسی خلیفہ وغیرہ پر پڑھنے کی اجازت ختم کی جاتی ہے۔ علامہ شامی نے اس وجہ سے اسے بدعۃ حسنہ قرار دیا کہ خلفاء اور عورتوں پر سلام پیش کرنے کی بنسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنا بہتر ہے۔

یہ بات کشف الغمہ جلد اوّل ص۶۷ پر موجود ہے اس کی عبارت درج ذیل ہے۔

قال شیخنا لم یکن التسلیم الذی یفعلہ المؤذنون فی ایام حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا الخلفاء الراشدین قال کان فی ایام الروافض بمصر شرعوا التسلیم علی الخلیفۃ ووزرائہ بعد الاذان الی ان توفی الحاکم بامر اللہ وولوا اختہ فسلموا علیہا وعلی وزرائہا فلما تولی الملک العادل صلاح الدین بن ایوب فابطل ہذہ البدع وامر المؤذنین بالصلاۃ والتسلیم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر بہا اہل الامصار والقریٰ۔ یعنی یہ صلوٰۃ وسلام (آذان واقامت کے درمیان) جسے اب مؤذن پڑھتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں نہیں پڑھا جاتا تھا کہا! روافض (شیعہ) کے دور میں مصر کے اندر یہ کام شروع ہوا کہ وقت کے خلیفہ اور اس کے وزراء پر اذان کے بعد سلام پیش کیا جاتا تھا حتی کہ اللہ کے حکم سے خلیفہ فوت ہو گیا اور لوگوں نے اسکی بہن کو اپنا خلیفہ بنا لیا تو اب اس پر اور وزراء عورتوں پر اذان کے بعد سلام پیش کیا جانے لگا۔ پھر جب ملک عادل صلاح الدین بن ایوب نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی تو ان بدعات کو ختم کیا اور تمام شہری اور دیہاتی مؤذنوں کو حکم دیا کہ صلاۃ وسلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جائے۔

اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام کا نہیں تثویب کا ثبوت ملتا ہے

جہاں تک تثویب کا تعلق ہے اسکا ثبوت کتب فقہ میں ملتا ہے اگرچہ فتاویٰ دار العلوم ، کفایت المفتی وغیرہ علماء دیوبند کی کتب فقہ میں اسے بھی مستحسن قرار نہیں دیا گیا کیونکہ کتبِ احادیث میں صرف نمازِ فجر میں اَلصَّلوٰۃُ

خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ۔ کے ساتھ تثویب کا ثبوت اور حکم ملتا ہے باقی نمازوں میں نہیں جیساکہ ترمذی شریف میں ہے وَلَا تَثْوِیْبَ اِلَّا فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ ۔ یعنی تثویب صرف نماز فجر میں ہے ۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عشاء کی نماز میں ایک مؤذن کو تثویب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں گیا وہاں ایک مؤذن نے ظہر میں تثویب کی تو آپ نے فرمایا اٹھو اس بدعتی کے پاس سے ۔ (کتاب المبسوط جلد اول صفحہ ۱۳۰ و ۱۳۱)

فجر کی اذان میں تثویب کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقت گہری نیند اور غفلت کا ہوتا ہے شیطان اس وقت تھپکیاں دیدے کر سلانے کی کوشش کرتا ہے ۔ علماء دیوبند کا موقف بعینہٖ علماء متقدمین کا موقف ہے کہ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ جو فجر کی اذان میں داخل ہے یہی تثویب ہے اگرچہ بعض نے اذان کے علاوہ اس کلمہ کو تثویب قرار دیا ہے ۔ لیکن متاخرین نے تمام نمازوں میں تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے ۔ کیونکہ غفلت اور سستی امور دینیہ میں بہت زیادہ ہو گئی ہے ۔ جیساکہ فتاویٰ عالمگیری ۔ خانیہ ۔ بدائع الصنائع ۔ ہدایہ ۔ فتح القدیر ۔ مراقی الفلاح وغیرھا کتب میں موجود ہے ۔ اللّٰھُمَّ اَرِنَا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ ۔

محمد عمران اشرف عثمانی

متعلم عالیہ سال اوّل دارالعلوم کراچی

نام اور نسب:

آپ کا نام حذیفہ اور کنیت ابو عبد اللہ ہے اور نسب اس طرح ہے: حذیفہ ابن الیمان ابن جابر العبسی الیمانی، رضی اللہ عنہ۔

آپ کے والد صاحب کا نام اصل میں حسل ہے لیکن چونکہ آپ مدینہ منورہ آنے کے بعد یمنی قوم کے حلیف ہوگئے تھے اس لئے آپ کا لقب "یمان" مشہور ہوگیا تھا۔[1]

حضرت یمان اصل میں قبیلۂ بنو عبس سے تعلق رکھتے تھے، وہاں پر زمانۂ جاہلیت میں آپ سے ایک قتل ہوگیا تھا جس کی وجہ سے آپ پر قصاص واجب ہوگیا تھا۔ اس لئے آپ اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر حضرت حذیفہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ آگئے تھے۔ اور مدینہ منورہ آکر قبیلۂ بنو اشہل کے حلیف ہوگئے تھے۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے اس لئے آپ دونوں مکہ مکرمہ جاکر اسلام لائے، جس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اختیار دیدیا تھا کہ چاہیں تو آپ اپنے آپ کو انصار میں سے شمار کریں اور چاہیں تو مہاجرین میں سے، حضرت حذیفہؓ نے انصاری بننے کو اختیار فرمالیا تھا۔[1]

ایک دفعہ حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت یمانؓ کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف آرہے تھے تو اتفاقاً وہ زمانہ بدر کی جنگ کا تھا۔ ادھر مکہ مکرمہ سے ابوجہل کا لشکر روانہ ہوچکا تھا، راستے میں آپ حضرات کی ابوجہل کے لشکر سے مڈبھیڑ ہوگئی اور ابوجہل کے لشکر نے ان کو گرفتار کرلیا، ابوجہل نے کہا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کیلئے مدینہ طیبہ جارہے ہو؟ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم ایک ضروری کام سے

---

[1] اسد الغابۃ ج ۱ ص ۳۹۰۔

مدینہ جا رہے ہیں، ابوجہل نے اس شرط پر ان کو چھوڑا کہ تم مدینہ جاؤ گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرو گے، انہوں نے یہ شرط منظور کرلی اور مدینہ منورہ آگئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا واقعہ بیان کیا۔ [۱]

اگرچہ یہ حق اور باطل کی پہلی جنگ تھی جس میں کفارِ مکہ اسلحہ اور ساز و سامان سے لیس ہو کر آئے تھے اور ان کی تعداد مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی اور اس میں مسلمانوں کے لئے ایک ایک فرد کی سخت ضرورت تھی لیکن پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا: **نفی بعہدھم ونستعین اللہ علیھم** یعنی ہم ان کے عہد کو پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں گے۔ [۲]

اس کے بعد حضرت حذیفہؓ اور ان کے والد ماجد حضرت یمانؓ نے اُحد کی جنگ میں حصہ لیا لیکن حضرت یمان رضی اللہ عنہ اُحد میں مسلمانوں کی غلط فہمی کی بنیاد پر شہید ہوگئے، حضرت حذیفہؓ کی نظر اپنے والد صاحب پر اس وقت پڑی جب مسلمان حضرت یمانؓ کو کافر سمجھ کر قتل کر رہے تھے، آپ نے فوراً چیخنا شروع کردیا کہ ٹھہرو! یہ میرے باپ ہیں، لیکن گھمسان کا رَن پڑا ہوا تھا، ایسے میں مسلمان آپ کی بات نہ سُن سکے۔ یہاں تک کہ حضرت یمانؓ شہید ہوگئے، حضرت حذیفہؓ نے مسلمانوں سے کہا کہ تم نے میرے باپ کو قتل کردیا، مسلمانوں نے کہا کہ واللہ ہم نے ان کو نہیں پہچانا، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دیت دینے کا ارادہ فرمایا لیکن حضرت حذیفہؓ نے دیت مسلمانوں سے معاف کردی۔ [۳]

آپ وہ صحابی ہیں جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے فتنوں کی تفصیل اور منافقین کے نام اور ان کی شناخت بتا رکھی تھی، اسی لئے آپ کو صاحب سرِ رسول اللہ (یعنی رسول اللہ کا راز دار) کہا جاتا ہے۔ حد تو یہ تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی اپنے بارے میں ان سے پُوچھتے تھے: "أنا من المنافقین؟ یعنی کیا میں منافقین میں سے تو نہیں ہوں؟ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا: نہیں!۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ "لا أزکی أحدا بعدك" یعنی: "آپ کے بعد میں کسی کی صفائی نہیں کروں گا۔" [۴]

اسی وجہ سے جس نماز جنازہ میں حضرت حذیفہ ابن یمانؓ شرکت فرماتے اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی شرکت فرماتے اور جس میں آپ شریک نہ ہوتے اس میں حضرت عمرؓ بھی شریک نہ ہوتے تھے، کیونکہ حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ جس نماز جنازہ میں حضرت حذیفہؓ شریک

---

[۱] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۶۲ و ص ۳۶۳ والإصابة ج ۲ ص ۲۲۳۔

[۲] صحیح مسلم کتاب الجہاد (باب الوفاء بالعہد) ص ۱۷۸۔ [۳] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۶۲ وسقوط المدائن ص ۱۳۹۔ ورواہ البخاری ۲۷۹/۷۔

[۴] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۶۴۔

نہ ہوں وہ شاید کسی منافق کا جنازہ ہو اور اسی لئے حضرت حذیفہؓ اس میں شریک نہ ہو رہے ہوں۔[1]

ابو یحییٰ فرماتے ہیں کہ میرے سامنے ایک شخص نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا: ما النفاق؟ یعنی نفاق کسے کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ زبان سے تو اپنے کو مسلمان کہو، لیکن اس پر عمل نہ کرو، اس کو نفاق کہتے ہیں۔[2]

حضرت حذیفہ ابن یمانؓ فرماتے ہیں کہ: "واللہ میرے اور قیامت کے درمیان جتنے فتنے پیدا ہونے والے ہیں، میں ان کو لوگوں میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔[3]

حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ" لوگ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر (بھلائی) کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، لیکن میں شر (فتنہ) کے بارے میں سوال کیا کرتا تھا، کیونکہ مجھے خوف تھا کہ کہیں میں اس فتنہ (شر) میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔

اسی طرح حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم اسلام سے قبل جاہل تھے، اور شرک کی حالت میں تھے، پھر اللہ نے ہم کو مشرف باسلام ہونے کی توفیق دی اور ہم شر سے خیر کی طرف آگئے، تو کیا اس خیر کے بعد بھی ہم کسی شر میں مبتلا ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں ہوں گے!" پھر میں نے عرض کیا کہ کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! اس کے بعد خیر ہوگا، لیکن اس میں کچھ بُرائی بھی ہوگی۔ میں نے کہا وہ بُرائی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ لوگ میری سیرت سے ہدایت حاصل نہیں کریں گے چنانچہ ان کے بعض بعض اعمال اچھے ہوں گے اور بعض بُرے" میں نے عرض کیا کہ "کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟" آپ نے فرمایا: "ہاں اس کے بعد پھر شر ہوگا اور اس میں کچھ افراد جہنم کے دروازوں کی طرف دعوت دیں گے جو بھی ان کی طرف آئے گا وہ (افراد) ان کو جہنم میں پھینک دیں گے۔" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہمیں ان لوگوں کی پہچان بتا دیجئے۔" آپ نے فرمایا کہ "وہ بھی ظاہراً ہماری ہی طرح ہوں گے، ان کی ہماری جیسی کھال اور ہماری جیسی زبان ہوگی۔" میں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر خدانخواستہ ہمارے سامنے یہ فتنہ آئے تو ہم کیا کریں؟" آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کو مضبوطی سے تھام لو۔" میں نے کہا: اگر نہ کوئی جماعت ہو اور نہ کوئی امام ہو تو اس وقت ہم کیا کریں؟ تو آپ نے فرمایا کہ "تمام فرقوں سے علیحدہ رہو، یہاں تک کہ اگر تمہیں درخت کی جڑ کھا کھا کر گذارہ کرنا پڑے تب بھی موت آنے تک یہی کرتے رہو۔[4] (بخاری)

حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ ہمت، شجاعت اور عظمت کا مجسم پیکر تھے، چنانچہ

---

[1] اسد الغابۃ ج ۲ ص ۳۹۱، [2] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۶۳،
[3] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۶۵، [4] فتح الباری علی شرح البخاری ج ۶ ص ۵۸۰ و ج ۱۳ ص ۳۵ والحدیث رقم ۳۶۰۶ وطرفاہ فی ۳۶۰۷ و ۷۰۸۴ (حدیث حذیفۃ)۔

آپؓ نے غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق) میں ایک عظیم کارنامہ انجام دیا، حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب مدینہ منورہ کے اطراف میں سخت محنت، مشقت کے بعد خندق کھودی جا چکی تھی اور محاصرہ کو ۲۴ دن ہو گئے تھے اور کفار کے محاصرہ کی وجہ سے کھانے پینے کا سامان اور رسد مدینہ طیبہ میں نہیں آسکتی تھی، اور مدینہ منورہ میں پہلے سے جو کچھ خوراک کا سامان تھا وہ آہستہ آہستہ کرکے ختم ہو گیا تھا، اس کے علاوہ یہ مدینہ منورہ کی سخت سردی کا زمانہ تھا جس کی وجہ سے سخت پریشانی کا سامنا تھا، انہی سخت ایام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر آپؓ دشمن کی باتیں معلوم کرنے کے لئے کفار کے لشکر میں گئے، اس کا دلچسپ واقعہ خود حضرت حذیفہؓ نے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

غزوۂ خندق کی ایک رات میں ہم کو سخت سردی کا سامنا تھا اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الا رجل یاتینی بخبر القوم جعلہ اللہ معی یوم القیامۃ؟ یعنی "کیا کوئی ایسا شخص ہے جو دشمن کی خبر لائے اور اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں میرے ساتھ کردیں؟" ہم سب سخت بھوک اور سخت سردی کی وجہ سے کچھ جواب نہ دے سکے اور خاموش رہے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ "کیا کوئی شخص ہے جو دشمن کی خبر لائے اور اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں میرے ساتھ کردیں؟" پھر بھی ہم نے جواب نہ دیا اور خاموش رہے، پھر آپ نے تیسری بار بھی سوال کیا اور فرمایا کہ "کیا تم میں سے کوئی شخص ہے جو دشمن کی خبر لائے اور جنت میں میرے ساتھ ہو؟" پھر بھی سب خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس پر آپ نے فرمایا: "قم یا حذیفۃ! فائتنا بخبر القوم" یعنی "حذیفہ! تم کھڑے ہو جاؤ اور ہمارے پاس دشمن کی خبر لیکر آؤ۔" حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام لیا تو میں نے کچھ نہیں دیکھا بس میں کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اذھب فائتنی بخبر القوم ولا تذعرھم علیّ" یعنی "جاؤ ان لوگوں کی خبر لیکر آؤ اور ان کو مجھ پر برانگیختہ مت کرنا۔"

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں جانے کے لئے مڑا تو (سخت سردی کے باوجود) مجھے ایسا لگا کہ جیسے میں کسی گرم حمام میں چل رہا ہوں، یہاں تک کہ میں دشمنوں کے پاس پہنچ گیا، اس وقت میں نے ابوسفیان[1] کو دیکھا کہ سردی کی وجہ سے آگ سے اپنی کمر سینک رہا ہے، میں نے تیر کو کمان میں رکھا اور تقریباً یہ ارادہ کرلیا کہ میں اس کو ماردوں گا، لیکن مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات یاد آئی کہ "ان کو مجھ پر برانگیختہ نہ کرنا" اس لئے میں رُک گیا، اگر میں مارنا چاہتا تو میں مار سکتا تھا، لیکن حضورؐ کی تاکید کی وجہ سے میں نے کچھ نہیں کیا۔"

(باقی آئندہ)

---

[1] یہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور مشرکین کے سالارِ لشکر تھے، آپ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، آپ حضرت معاویہؓ کے والدِ ماجد ہیں۔

(۳۵)
مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (قدس سرہ)

خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ

ملفوظات کی تشریح

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضرت کے ملفوظات میں سے کچھ سنا رہا ہوں۔ بزرگوں سے سنا ہے کہ بہت سی کتابوں سے بڑھکر بزرگوں کے اقوال ہیں کہ وہ چھنی چھنائی باتیں ہیں۔

فرمایا کہ: تصوف جب بگڑتا ہے تو جنون یا زندقہ بن جاتا ہے۔ جتنی عمدہ لطیف غذا ہو گی جب وہ سڑ جاتی ہے تو اس کی بدبو بھی سب سے غلیظ ہوتی ہے اسی طرح تصوف بڑی لطیف چیز ہے اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں۔ لیکن اگر وہ بگڑ جائے تو یا پاگل ہو جاتا ہے یا عقلی جنون الحاد ہو جاتا ہے۔ انہی کو دیکھکر لوگ تصوف سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ جب آدمی اللہ، اللہ کرنیوالا ہو جاتا ہے تو وہ اگر پاگل بھی ہو جائے تب بھی لوگ اس کی حرکات کو عقیدت سے دیکھتے ہیں۔

دماغ کا علاج کراؤ۔

تھانہ بھون ایک صاحب آئے۔ نو سال مجاہدہ کیا تھا۔ ان کے شیخ نے سوکھی روٹی کھلا کر، پتھر پر لٹا کر مجاہدے کرائے تھے۔ ان کا دماغ خراب ہو گیا لوگ سمجھے یہ مجذوب ہو گئے ہیں۔ حضرت نے دیکھکر فرمایا

"تربیت تو بعد میں ہوگی پہلے ان کے دماغ کا علاج کراؤ" چنانچہ حکیم کا علاج کیا۔ مگر دماغ کا دورہ پڑا تو بھاگ گئے اور کورٹ میں جاکر دعویٰ کیا کہ پچاس روپے میرے دواؤں میں برباد کرادیئے۔ میں تو اچھا خاصا ہوں۔ بعض اوقات زیادہ مجاہدے سے جنون کی نوبت آجاتی ہے یہ ہوتا ہے ان لوگوں سے جو جاہل صوفی ہوتے ہیں۔ مرید کی حالت سے واقف نہیں۔ مجاہدے کرائے جاتے ہیں۔

اسی طرح ایک رنگ آتا ہے ان بگڑے ہوئے مجاہدوں سے۔ وہ ہے زندقہ۔ اسمیں خواب وغیرہ الہام ہوتے ہیں۔ یہ شیطانی حرکات ہیں وہ سمجھتا ہے کہ مجھے براہ راست الہام ہونے لگا۔ بس وہ بھی بے راہ ہوجاتا ہے۔

نفس کشی کا مطلب

تصوف دراصل شریعت پر پورے عمل کا نام ہے۔ اسلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ جو اس میدان میں قدم رکھے اور بغیر قدم رکھے ایمان پورا نہیں ہوتا۔ لیکن اپنی رائے سے کچھ نہ کرے کوئی شیخ کامل پکڑے اعظم گڑھ کے ہمارے ایک دوست تھے، وہاں شبلی اور غزالی بہت ہوتے ہیں وہ بھی شبلی تھے۔ بہت دبلے ڈھانچہ بنے ہوئے۔ میں نے پوچھا! کیا ہوا؟ وہ خاموش ہوگئے پھر کئی بار پوچھنے پر بتایا کہ اور کچھ نہیں۔ غذا بہت تھوڑی کھاتا ہوں۔ امام غزالی کی تعلیم پر عمل کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ "حضرت اپنے زمانہ کے غزالی سے پوچھو" یہ جو کتابیں پڑھکر اپنی اصلاح چاہتے ہو یہ غلط ہے۔ صدیوں پہلے اماموں کی تقلید آج کے زمانہ میں تم ہم جیسے کمزور طبیعتوں سے نہیں ہوسکتی۔ جب طاقت ہی نہ ہوگی تو طاعت کہاں سے ہوگی۔

صوفیا کے ہاں نفس کو مارنے کا جہالت سے نام بھوکا رہنے کا رکھدیا ہے۔ بھلے آدمیو: جب نفس کو ماردیا تو طاعت کہاں سے ہوگی۔

نفس کے کچھ حقوق ہیں کچھ حظوظ، حقوق کی ادائیگی واجب ہے۔ اس میں سونا کھانا، آرام پہونچانا یہ سب بالکل اسی طرح ہیں جیسے بیوی کے اولاد کے، پڑوسی کے حقوق۔

اگر نفس کے حقوق ادا نہ کئے تو جہنم میں جائیگا۔ ہاں دوسری چیز ہے نفس کے حظوظ۔ یعنی نفس کی وہ خواہشات جو ضروریات سے علاوہ بلکہ تضییع اوقات، تضییع مال وغیرہ سے ہیں۔ جس کے بغیر کام چل سکے، زندہ رہ سکے اس کو "حظوظ نفس" کہتے ہیں۔ ان خواہشات کے روکنے کا نام "نفس کشی" ہے

ذکر اللہ بیحد لذیذ ہے

اللہ کے ذکر سے زیادہ لذیذ کوئی شئی نہیں اس میں کتنی لذت ہے جو اسے ورد میں رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں مگر یہ لذت، خاصہ ہے ذکر کا۔ انوار و برکات نظر آئیں گے چاہے وہ کافر بھی کرے تو اسے لذت آئیگی مگر مقصود نہیں، بس اس فرق کو سمجھ لیں۔

ایک بنیا تھا دوکان کھولتے بسم اللہ کہکر۔ ترازو اٹھاتا بسم اللہ کہکر اور ہر وقت اللہ اللہ کہتا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ میں مسلمان تو نہیں ہوا۔ مگر مزہ آتا ہے تو یہ انوار تو ظاہر ہیں مگر یہ لذت اور انوار مقصود نہیں۔ مقصود

ہے اللہ کی رضا۔ اور یہ رضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں ہے۔

مقبول کوشش

کلام پاک میں ہے جو ارادہ کرے، کوشش کرے آخرت کی اور کوشش اس کے مناسب کرے اور ایمان بھی ہو ان کی کوشش اللہ کے یہاں مقبول ہے۔

یہاں پہلی شرط ایمان ہے دوسری ارادہ، تیسری کوشش جو اس کے مناسب ہو، اب ایک تو وہ شخص ہے جس کا ارادہ ہی آخرت کا نہیں یہ لوگ پنج سورے لٹکاتے ہیں اس لئے کہ برکت ہو۔ مقصد اللہ کی رضا نہیں بلکہ دنیا حاصل کرنا ہے تو دنیا ان کو مل جائے گی۔

سورۂ مزمل، سورہ یٰسین کے فضائل اپنی جگہ مکمل اور اٹل ہیں۔ مگر دنیا کے فوائد حاصل کرنے کی نیت ہو تو وہ صرف دنیا ہے اسمیں آخرت کا کوئی حصہ نہیں۔ ہاں! یہ نیت کرو کہ سورہ یٰسین، قلب قرآن ہے آخرت کے حصول کا ذریعہ ہے اور پھر تیسرے درجہ میں دنیا کے فوائد بھی ہیں۔

راہ سنت اور بدعت

تو سنت یہ ہے کہ ارادہ کرے آخرت کا۔ جس طرح دنیا کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کی کوشش بھی اس کے مناسب کرتے ہیں کپڑے کی تجارت کے لئے تو ہا منڈی میں پھرنا بیکار ہوگا۔ سبزی منڈی میں کپڑے کی تجارت نہیں ہوگی ہر چیز کا ایک طریقہ ہے آخرت کی کوشش کرنی ہو تو آخرت کے مناسب ہو، اور وہ ہے طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو آپ نے اپنے قول سے اور عمل سے بتائے ہیں بس وہی صحیح کوشش ہے اس کے علاوہ ساری کوششیں بیکار ہیں۔

آخرت کے عمل کے مناسب سعی وہی ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے ذکر اللہ ہو، تلاوت ہو، حج، نماز، روزہ ساری طاعتیں اگر سنت سے ہٹ کر کی گئیں وہی بدعت ہیں۔ وہی ضلالت ہیں وہی گمراہی ہیں، یہی حاصل ہے اس آیت کا۔

دیکھنے میں ان کے اعمال جو بدعتی ہیں بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں ان بیچاروں کو کون سمجھائے؟ کہتے ہیں کھڑے ہو کر درود پڑھ لیا تو کیا برا کیا۔ لیکن اُن سے یہ پوچھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پابندیاں کہاں لگائیں تھیں؟ صحابہ کرام نے کب کھڑے ہو کر درود پڑھا اور کب اس سے نفرت کی جس نے کھڑے ہو کر نہ پڑھا۔ بس یہ پابندی جو خلاف سنت ہے یہی بدعت ہے۔

یہ گیارہویں، بارہویں کا کھانا کھانا کھلانا کب منع ہے مگر یہ سمجھ کر کرنا کہ یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس یہ بدعت ہے۔

حالانکہ صدقہ اور سلام کرنا یہ گناہوں کا زبردست کفارہ ہے ہمارا عمل یہ ہے کہ منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں سنت تو یہ ہے جس کے خلاف جا رہے ہیں۔ مفت میں دعا حاصل ہو جاتی ہے سلام کرنے میں۔ معلوم نہیں کونسی گھڑی میں یہ دعا قبول ہو جائے۔ سلامتی کی بڑی دعا ہے گناہوں کا کفارہ ہے اس کو تو ہم عمل میں نہیں لاتے۔ آپس میں محبت بڑھے، اللہ پاک راضی ہوں اپنے گناہوں کا کفارہ ہے کیسی برکت کی چیز ہے!

دوسرا گناہوں کا کفارہ ہے کھانا کھلانا۔ یہ کوئی شرط نہیں۔ یہ کوئی شرط نہیں کہ کس کو؟ اور کس وقت؟ اور رات کے وقت تہجد کی نماز جبکہ لوگ سوئے ہوں کتنا بڑا ثواب ہے۔

اب سمجھئے کہ سلام اور کھانا کھلانا اور تہجد، یہ تین طریقے گناہوں کے کفارہ کے ہیں لیکن بعض وقت سلام بھی ممنوع ہے مثلاً اذان کے وقت آپس میں سلام کرنا مکروہ ہے اس وقت کا حکم ہے اذان کا جواب دینا ہے اسی طرح واعظ کو، مدرس کو، اسی طرح کھانا کھانے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے کیسی آسانیاں ہیں شریعت میں۔ اس میں ایک راز ہے یا تو کھانے والا جواب بھی دے اور کھانا بھی کھاتا ہے۔ یہ تو بدتمیزی ہے یا شریک کرنے میں تکلیف ہو گی۔

یا اس کے پاس وقت نہیں۔ اس سے اس کو ایذا پہنچے گی۔ تو اضع نہ کرنا بھی ظلم ہوا۔ یا کوئی اور ضروری بات ہے کہ وہ آپ کو بلا نہیں سکتا۔ یہ رعایت ہے اس کا اصول یہ ہے کہ کھاتے وقت سلام نہ کرو تاہم سعی وہ معتبر ہے جو اللہ کے نزدیک مناسب ہو۔

اسی طرح کھانا (کھلانا) غلط طریقہ سے ہو وہ گناہ ہو جائیگا۔ رشوت کی خاطر کھلایا یا حرام ہے ثواب کو گناہ بنا لیا تاریخ مقرر کر کے کھانا ——— جو خدا کے رسول اور صحابہ سے ثابت نہ ہو۔ اس کی پابندی کر کے اپنے اوپر وبال بنا لیا ایک ثواب کو گناہ سے بدل لیا۔

غرض سنت کے مطابق جو کام ہو گا ثواب ہے۔ جو کام سنت کیخلاف ہو گا وہ گناہ ہو گا۔ غرض چار چیزیں آخرت کے حصول کی یہ ہیں۔ ایمان ہو، ارادہ ہو، ارادہ کے ساتھ کوشش ہو اور کوشش بھی مناسب ہو بس یہی حصول آخرت ہے ایک شخص نے شیطان پر کنکری مارنے کی بجائے حج کے دوران کسی اور جگہ گرادی اور کہا کہ ہم نے تو نیت کر لی تھی شیطان کو مارنے کی، نہیں بھائی! یہ رمی نہیں ہوئی۔ حج کو جاؤ، شیطان پر کنکری مارنے کی جو جگہ مقرر کی ہے، اللہ کے رسول نے بس اس کے مطابق کرو۔ ہر وہ کوشش جو مناسب ہو سنت کے بس وہ عمل صحیح ہے اور جو کوشش سنت کے خلاف ہو وہ نامناسب ہو گی۔

تصوف اصلاح باطن کا نام ہے

بات چلی تھی تصوف پر۔ تصوف اعمال باطنہ کی اصلاح کا نام ہے، کبر، ریا، عجب، بغض یہ بالکل اسی طرح گناہ ہیں جیسے چوری زنا، شراب، اللہ پاک نے ان کو بھی گناہ کبیرہ بتایا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ ظاہری گناہ کو تو ہم سب گناہ سمجھتے ہیں مگر امراض باطنہ کی طرف کسی کی نگاہ نہیں جاتی۔

ایک ڈاکٹر صاحب نے کہا مولویوں کی لڑائی نے ہمیں مار رکھا ہے ایک ایسا مدرسہ کھولو جسمیں سارے مذاہب پڑھائے جائیں اور اتفاق پیدا ہو جائے۔ میں نے کہا "ایلوپیتھک" کا علاج کیسا ہے؟ کہنے لگے حق ہے میں نے کہا "یونانی"؟ کہنے لگے حق ہے میں نے کہا "ویدک ہومیوپیتھک"؟ کہنے لگے حق ہے میں نے کہا ایسا کرو کوئی ایسی دوا تیار کرو۔ جو ان چاروں حق طریقہ علاج کا واحد اجتماع ہو۔ انشاء اللہ جلد یہ شہر قبرستان بن جائے گا۔

اور یہ خیال غلط ہے کہ یہ لڑائی جھگڑے، فساد، دین سے ہوئے ہیں یہ نفسانیت ہے چاہے

فساد دین کی بنا پر نہیں

حنفی ہو، وہابی ہو، کوئی ہو، دین میں کوئی جھگڑا نہیں۔ جھگڑا ہے کبر کا۔ ریا، کا، عجب کا۔ ہر شخص اپنی ضد پر قائم ہے جس طرح ہر شخص اپنے طریقۂ علاج کو پسند کرتا ہے۔ لیکن دوسرے حکیم یا وید کو برا نہیں کہتا۔ مگر دین کے اعمال میں نفسانیت شامل کر کے دوسرے کو برا کہتے ہیں یہ برا مرض ہے۔ ان کا علاج خانقاہیں اور مساجد ہیں جو شیخ اور بزرگ ہوں گے وہ پہچان لیں گے کہ اسمیں کونسا مرض ہے کبر ہے۔ نفسانیت ہے حسد ہے، بغض ہے۔

بس یہ باطنی امراض کو پہچاننے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے اور ایسے خدا کے بندے بہت ہیں لہٰذا ان سے رجوع کر کے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے۔

مجلس بروز اتوار ۲۹ مئی ۱۹۶۶ء

عبد الجواد صدیقی
کانفیڈنشل پریس بہاولپور

فیوضاتِ مسیح الامت حضرت مولانا الشاہ قاری محمد مسیح اللہ خان صاحب مدظلہم

(قسط دوم)

حضرت مسیح الامت جلال آبادی دامت فیوضہم العالی کی ذات اور صفات کے سلسلہ میں اس حقیر پُر تقصیر کا کچھ کہنا "چھوٹا منہ بڑی بات" کا مصداق ہے۔ پہلی قسط میں بھی اگر کوئی بات خلاف واقعہ تحریر ہوگئی ہو یا اب ہو جائے تو یہ سراسر اس نالائق کی نالائقی ہے کیونکہ حضرت والا مدظلہم کی شان میں کچھ کہنا صرف اُن نفوسِ قدسیہ کو جچتا ہے جو حضرتِ والا کی صحبت سے فیضیاب ہیں۔ یہ نالائق نہ علم میں کچھ نہ عمل میں کچھ۔ بس اپنے مرشدی حضرت جلال آبادی مدظلہم و فیوضہم سے ایک ربطِ خفی ایک محبتِ قلبی کا سمجھ میں نہ آنے والا لطیف سا احساس اپنے رگ و پے میں محسوس کرتا رہتا ہے جسے زبان سے ادا کرنا یا قلم کے سپرد کرنا ممکن ہی نہیں ؎

دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

اسی سمجھ میں نہ آنے والی کیفیت کی لذت کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ سطور ڈرتے ڈرتے پیش کرنے کی جرات کر رہا ہوں جہاں یہ خیال ہے کہ کہیں کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو خلافِ واقعہ ہو، اور شیخ وقت کی طبع لطیف پر بار ہو۔ وہیں یہ خواہش اور تڑپ بھی ہے کہ طالبِ صادق "مردِ حق آگاہ"

سے آگاہ ہو جائیں اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنی اصلاح ظاہر باطن کا سامان کر لیں۔

ہے احد معبود اپنا اور نبی خیر الوریٰ
شیخ بھی قطب دوراں میں تو اس قابل نہ تھا

آخر اسے ربطِ خفی یا محبتِ قلبی کا نام نہ دوں تو کیا کہوں؟ کہ "مثلاً جب وضو یا غسل کے وقت پانی حد سے زیادہ خرچ کرتا ہوں تو فوراً ایک تصور، ایک آواز اور وہ بھی کس کی؟ شیخ وقت کی، محسوس کرتا ہوں کہ عزیزا! یہ کیا کر رہا ہے؟"

جب کھانا کھاتے وقت اچانک کبھی ٹیک لگا لیتا ہوں تو وہ منظر فوراً سامنے آجاتا ہے کہ جب عرصہ ہوا ایک دفعہ حضرت والا مرشدی پاک مدظلہم کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ حضرت والا نے میرے زمین پر ٹکے ہوئے ہاتھ کو اپنے دستِ مبارک سے ہلکی سی جنبش دیکر زمین سے اٹھا دیا اور اور فرمایا کہ ٹیک لگا کر کھانا خلافِ سنت ہے۔"

"اسی طرح جب کبھی حاجاتِ ضروریہ کے لئے ننگے سر جاتا ہوں۔ پانی ننگے سر پیتا ہوں یا کوئی اور خلاف سنت یا خلافِ شرع کام پر آمادہ ہوتا ہوں۔ فوراً حضرت والا سے تعلق کا احساس مختلف انداز میں شرم دلاتا ہے کہ اپنی نسبت کو سوچ اور اس کی لاج رکھ۔ یہ آخر سب کیا ہے؟ نہ میں نے کبھی مراقبہ تصورِ شیخ کیا۔ اور نہ ہی اس سلسلہ میں کبھی سوچا۔ پھر یہ بے آواز صدا کیا ہے جو حق و باطل میں تمیز کراتی رہتی ہے۔ اور ہر دم ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے کا معاملہ درپیش ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی واشگاف الفاظ میں سامنے رہتی ہے کہ یہ سب دراصل بواسطہ شیخ گرامی قدر، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف سے ہے۔ کیونکہ جب کبھی اس ناچیز نے اپنے مرشد حضرت مسیح الامت مدظلہم کو کسی خط میں کچھ اس طرح لکھا کہ "اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تو مرشدی پاک نے فوراً اس تحریر پر نشان لگا کر کچھ ایسا جملہ لکھ دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع نصیب فرمائے تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں آمین۔"

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلَىٰ حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

استقامت کے ساتھ اتباعِ شیخ بہت بڑی دولت ہے، یہ دراصل شیخ کی وساطت سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہلواتے ہیں۔

فَاتَّبِعُونِي۔ میری اتباع کرو

تو اس کا ثمرہ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگ جائیں گے، کی شکل میں ملے گا۔ یہی مطلوب و مقصودِ مومن ہے جو اتباعِ شیخ کے ذیل میں بفضلہٖ تعالیٰ عطا کیا جاتا ہے۔

شعبان ۱۳۵۰ھ میں حضرتِ والا مدظلہم اپنے مرشد کامل حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ارشاد پر قصبہ جلال آباد (تھانہ بھون سے دو ڈھائی کلومیٹر کے فاصلہ پر یہ قصبہ ضلع مظفر نگر یوپی انڈیا میں واقع ہے)

تشریف لائے۔ اتباعِ شیخ میں اس قدر استقامت فرمائی کہ آج بھی اُسی قصبہ جلال آباد ہی کے اُسی مدرسہ مفتاح العلوم میں رونق افروز ہیں حتیٰ کہ ؎

قصبہ جلال آباد بن گیا تھانہ بھونِ ثانی

یہ برکت ہے اتباعِ شیخ میں استقامت کی۔ جب مکان ایسا ہو گیا تو مکین کا کیا ہی کہنا کہ جس کی عملی استقامت نے ظاہر پر یہ اثر دکھایا تو شیخِ وقت کے باطن پر ہمہ گیر استقامت کے مسلسل اثرات مرتب ہو کر جو جِلا اور ترقی ہو رہی ہے اس کی عظمت کا مشاہدہ اہلِ دل حضرات ہی کر سکتے ہیں۔ ؎

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

آپ تو بچپن ہی سے یگانۂ روزگار تھے۔ ذکر و نوافل اور نمازِ پنجگانہ کا بہت شوق تھا۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر تہجد پڑھتے، ذکر کرتے اور دعائیں مانگا کرتے تھے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

نوعمری ہی میں حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے واعظ اور بہشتی زیور کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے، حتیٰ کہ صاحب وعظ حضرت حکیم الامتؒ سے ایسی غائبانہ محبت و عقیدت ہو گئی کہ بقول مرشدی پاک مدظلہم:

"پھر کبھی دوسری طرف خیال بھی نہیں گیا"

؎ ہمہ شہر پُر زخوباں منم و خیالِ ماہے
چہ کنم کہ چشمِ یک بیں نہ کند بکس نگاہے

یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح الامت مدظلہم تعلیم و تربیت میں ہو بہو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ آپ کی مجالس تھانہ بھون کی مجالس کی یاد تازہ کرتی ہیں، آپ کے چند تازہ ارشاداتِ گرامی پیشِ خدمت ہیں جو برادرِ گرامی صوفی محمد اقبال صاحب ہارون آبادی مدظلہٗ (خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا ماسٹر محمد شریف صاحبؒ ملتانی) و صدر مجلس صیانۃ المسلمین ہارون آباد نے ارسال فرمائے ہیں، یہ ارشادات ۱۹۸۶ء کے سالانہ اجتماعِ مجلس صیانۃ المسلمین کے موقع پر موصوف نے جمع فرمائے ہیں:۔

۱۔ مجلسِ صیانۃ المسلمین کو حضرت حکیم الامتؒ سے نسبت ہے:

ارشاد فرمایا کہ: میں گزشتہ سال علالتِ شدیدہ طویلہ کی بنا پر سالانہ اجتماع میں حاضر نہ ہو سکا تھا جو بعض احباب کو ناگوار گزرا۔ حالانکہ اُن کو معلوم ہونا چاہئے کہ مجلس صیانۃ المسلمین کو میرے شیخ سے نسبت ہے اور جس کی نسبت اپنے شیخ سے ہو تو وہاں آدمی ہر صورت میں حاضری کا بہانہ ڈھونڈتا ہے نہ کہ خواہ مخواہ حاضری سے بلا عذر، عذر کرے۔

اور اس نسبت سے متعلق سرسیّد احمد خان کا ایک واقعہ سنایا کہ ایک سائل دروازے پر آکر رُکے.
تو انہوں نے حاضرین سے فرمایا. میں اسے ایک پیسہ بھی نہیں دوں گا. چنانچہ اس نے آکر سلام کیا، اور انہوں نے بے اعتنائی سے جواب دیا. سوال کرنے پر بھی بالکل التفات نہ کیا. اس پر سائل نے سرسید احمد خان کے اُستاد کا نام لیا کہ میں اُن کا فلاں عزیز ہوں. یہ سُن کر سرسیّد نے اُسے معقول رقم دیدی. حاضرین میں سے کسی نے تعجب کا اظہار کیا. کہ آپ تو کہہ رہے تھے کہ میں ایک پائی بھی نہ دوں گا. اور اب آپ نے اسے ایک معقول رقم دے دی ہے. سرسیّد نے جواب دیا: جانتے ہو اس نے کس سے اپنی نسبت ظاہر کی. اس نے میرے اُستاد سے اپنی نسبت ظاہر کی. اس پر وہ جو بھی مانگتے میں بلا تامّل دیدیتا.

یہ واقعہ بیان فرما کر حضرتِ والا مسیح الامت مدظلہم نے فرمایا:

"یہ ہے نسبت اور اس کا اثر"

●

(۲) "فرمایا: لوگ اپنے بزرگوں کی عقیدت میں خاص طور پر کشف وکرامت کے سلسلہ میں افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں، کیونکہ کشف وکرامت میں جھوٹ بھی کھپ جاتا ہے.

ولایت نام ہے ایمان و تقویٰ کا. اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ. کہ کان کھول کر سُن لو. اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو (آخرت میں) نہ خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے (اور یہ شان ان کی ہے) جو ایمان لے آئے اور متقی ہیں.

ہوا میں اُڑنا، پانی پر چلنا یا بے موسم کے پھل لا دینا اسی طرح اور خلافِ عادت باتوں کے ظاہر ہونے کا نام ولایت نہیں. ہاں اولیاء اللہ سے کبھی کبھی ایسی باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں جنہیں کرامت کہا جاتا ہے. جیسے پیغمبروں سے معجزات کا صدور برحق ہے اسی طرح اولیاء کرام سے کرامت کا ظہور بھی برحق ہے. لیکن کشف وکرامت کے سلسلہ میں افراط و تفریط سے بچنا چاہیئے. اصل چیز ایمان اور تقویٰ ہے. اگر اللہ کے فضل سے ایمان و تقویٰ میں استقامت ہے تو سب کچھ ہے.

(۳) فرمایا: مضامین کی آمد سامعین کی طلب سے ہوتی ہے جیسے بچے میں جب طلب ہو تو ماں کے خود بخود دودھ اُترآتا ہے.

(۴) فرمایا: لوگ معتقد بھی اس کے زیادہ ہوتے ہیں جس سے کشف وکرامت کا ظہور ہو. منصورؒ کے ہاتھوں جب کشف وکرامت کا ظہور ہونا شروع ہوا تو لوگ منصورؒ کے مرید ہونے شروع ہوگئے. اُن کے مرشد نے اس امر سے روکا. اور ناراضگی ظاہر فرمائی. یہی مرشد کی ناراضگی منصورؒ کی باطنی ترقی میں رکاوٹ کا سبب بن گئی. وہ سلوک کی ایک ایسی منزل میں اٹک گئے کہ اس سے آگے نہ نکل سکے. اور انا الحق کا کلمہ زبان سے جاری ہوگیا. منصورؒ پر کفر کے فتوے لگے.

اُن کے مرشد سے بھی فتوے پر دستخط کرنے کو کہا گیا۔ انہوں نے فرمایا منصورؒ ہے تو نر پر۔ اس کا یہ کلمہ اپنے کو مٹانے کے لئے ہے۔ میں دستخط اس خانقاہ میں بیٹھ کر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ فتوے پر دستخط کرنے ہیں اس کی جگہ دار الافتاء ہے۔ شریعت کا نظام قائم رکھنے اور لوگوں کو گمراہی سے بچانے کی خاطر دار الافتاء گئے اور دستخط کر دیئے۔ منصورؒ کو جب جیل خانہ بھیج دیا گیا۔ منصورؒ نے قیدیوں سے کہا۔ کہ دوستو! اگر تم چاہو کہ قید خانہ سے نکلو۔ تو ابھی تالے توڑ دیتا ہوں۔ رات کو منصورؒ نے تالوں کو ہاتھ لگایا سب ٹوٹ کر گر گئے۔ سب قیدیوں کو رہا کر دیا۔ آپ خود جیل خانہ میں رہے۔ اور کہا کہ مجھے نکلنے کا حکم نہیں۔

(مطلب یہ کہ کشف و کرامت صحیح بھی ہو تب بھی شریعت کا نظام اس پر ہر طرح سے فوقیت رکھتا ہے۔ چہ جائیکہ کشف و کرامت میں جھوٹ کی آمیزش بھی ممکن ہے لہٰذا نجات اخروی کا دارومدار نظام شریعت کی سربلندی اور ایمان و تقوے میں منحصر ہے۔)

(۵) فرمایا: مرشد کے ساتھ ہر وقت لگے لپٹے نہ رہا کرو۔ اس میں بھی بشری کمزوریاں ہوتی ہیں۔ کبھی ناک آرہی ہے، کبھی حاجاتِ ضروریہ کے لئے جارہے ہیں، کبھی کوئی بیماری ہے۔ اگر تم ہر وقت مرشد کے سر پر سوار ہو گئے۔ تو مرشد سے بدظن ہونے کا احتمال ہے۔ اور یہ کہ اس کو تمہارا ہر وقت حاضر رہنا ناگوار ہو گا جو تمہارے لئے نقصان دہ ہو گا۔

(۶) فرمایا: مرشد کو کچھ وقت خلوت کا بھی مقرر کرنا چاہیئے۔ ہر وقت بولتے رہنے سے باطنی نور میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جس طرح کنوئیں سے ہر وقت پانی نکالتے رہنے سے کنوئیں کا انجلا پانی گدلا ہو جاتا ہے۔ نیچے سے ریت آنی شروع ہو جاتی ہے۔ گاؤں کے لوگ رات کو کنوئیں سے پانی نہیں نکالتے۔ کنواں رات ہی رات میں دوبارہ پانی سے بھر جاتا ہے۔ اسی طرح بولتے رہنے سے جو نور میں کمی ہو جاتی ہے۔ کچھ دیر خلوت کا وقت مقرر کر کے مرشد خود بھی ذکر کرے۔ اور پھر خلوت سے نکل کر جلوت میں آکر مریدوں کو اپنا جلوہ دکھائے۔

(۷) فرمایا: علماء کرام وقار سے رہیں اور علم کا وقار قائم رکھیں۔ تو عوام خود ان کی عزت کریں گے۔ اسی ذیل میں فرمایا کہ جب حضرت حکیم الامت تھانویؒ نواب ڈھاکہ کی دعوت پر تشریف لے جارہے تھے۔ راہ میں استقبال کے لئے نواب صاحب کے فرستادہ رئیس ملے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں آپ کی تشریف آوری سے مایوسی ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ آپ نے بڑی کڑی شرط لگا رکھی تھی، حضرت تھانویؒ نے فرمایا وہ کیا؟

تو کہا کہ کسی قسم کا ہدیہ نہ دینا ہوگا۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ تو بڑی آسان شرط تھی کہ کچھ دینا نہ پڑے۔ رئیس نے جواباً کہا کہ اپنے محبوب کی خدمت کرنے کو کچھ جی چاہا ہی کرتا ہے۔ حضرت والا تھانویؒ نے فرمایا کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ محبوب کی گھر بیٹھے خدمت کردی جایا کرے، اور جب بُلایا جائے تو کچھ نہ دیا جائے۔ رئیس نے کہا کہ معاف کرنا کنواں پیاسے کے پاس نہیں جاتا بلکہ پیاسا کنویں کے پاس آتا ہے۔ اس پر حضرت والا تھانویؒ کو غصہ آیا اور فرمایا تم اپنے کو کنواں سمجھتے ہو اور ہمیں پیاسا۔ حالانکہ تم پیاسے ہو اور ہم کنواں۔ کیونکہ جس قدر دنیا میں آسائش سے زندگی گزارنے کے لئے ضروریات کی ضرورت ہے وہ الحمد للہ ہمارے پاس موجود ہیں گو تمہارے جتنی نہیں، لیکن جس قدر دین کی ضرورت ہے وہ تمہارے پاس نہیں جس کی وجہ سے تم ہمارے محتاج ہوئے نہ کہ ہم تمہارے۔ اور ساتھ ہی حضرت والا تھانویؒ نے واپسی کا ارادہ کرلیا۔ لوگوں نے بہت منت سماجت کی کہ اس میں نواب صاحب کا کیا قصور ہے؟ فرمایا: ہمارے لانے کیلئے ایسے شخص کو تعین کیا جسے بات کرنے کا سلیقہ نہیں۔ غرض کسی کی نہ سُنی اور واپس تھانہ بھون تشریف لیگئے۔ حالانکہ نواب صاحب نے متعدد تار بھی دیئے۔ یہ واقعہ سُنا کر حضرتِ والا مسیح الامت مدظلہم نے فرمایا:

"یہ ہے علم کا وقار"۔

(۸) پھر فرمایا: دوبارہ نواب صاحب نے خطوط لکھ کر وقت لیا اور جب حضرت والا تھانویؒ تشریف لیگئے۔ تو نواب صاحب خود استقبال کے لئے کلکتے آئے، نیز حضرت والاؒ کی ہر ہر ضرورت کا خود خیال رکھتے تھے کہ کہیں کوئی بات ناگوارِ خاطر نہ ہوجائے۔

(حاضرین حیران تھے کہ علمائے کرام ایسے ہوتے ہیں ورنہ آجکل تو یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ بعض علماء از خود بغیر بُلائے امراء کے پاس جاتے ہیں اور اُن میں اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ منکرات پر نکیر کرسکیں۔)

(۹) اسی ضمن میں حضرت والا مسیح الامت مدظلہم نے فرمایا کہ نواب صاحب کے ہاں کھانوں میں گھی زیادہ استعمال ہو رہا تھا۔ اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: نواب صاحب! جنت میں دودھ، شہد اور پاکیزہ شراب کی نہروں کے ہونے کا ذکر تو حدیث میں آتا ہے لیکن یہ کہیں نہیں آیا کہ وہاں گھی کی بھی نہریں ہوں گی۔ نواب سمجھ گئے (اور آئندہ گھی کا استعمال اعتدال پر آگیا۔)

(جاری ہے)

حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب

مرض دو طرح کا ہوتا ہے ایک مرض جسمانی دوسرا قلبی ۔ جس طرح جسم بیمار ہوتا ہے اسی طرح قلب بھی بیمار ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم فرمایا گیا ہے ۔ فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ ۔ مگر ان امراض کی نوعیت میں فرق ہے ۔

قلبی امراض ۔ مثلاً گمراہی آجانا ۔ شکوک و شبہات کا پیدا ہو جانا ۔ رذائل و برے اخلاق ہونا وغیرہ ان کے معالجہ کے لئے شیخ اور تصوف کی ضرورت ہے ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی امراض کے علاج تو ارشاد فرمائے ہیں اس لئے کہ آپ روحانی طبیب اعظم تھے مگر آپ نے طب جسمانی کی طرف بھی راہ نمائی فرمائی ہے اور ہدایات دی ہیں ۔ اسی کی طرف یہ چند اوراق تحریر میں لانے کا ارادہ ہے وباللہ التوفیق ۔

طب جسمانی کے لئے تین اصول کا اختیار کرنا ضروری ہے ۔

(۱) صحت کی حفاظت (۲) مادہ فاسدہ کا استخراج (۳) پرہیز

اور یہ تینوں اصول قرآن کریم سے نکل آتے ہیں ۔ چنانچہ مسافر کو روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے تاکہ صحت قائم رہے اسی طرح فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَرِیْضًا اَوْ اَذًی مِّنْ رَّاْسِہٖ فَفِدْیَۃٌ الآیۃ یہ بھی حفظ صحت کے لئے ہے ۔

قربانی کرنے کے بعد سر منڈانے کا حکم ہے تاکہ سر کے مسامات کھل جائیں اور مادہ فاسدہ کا اخراج ہو جائے اور جب پانی کا استعمال ضرر دے تو تیمم کرنے کا حکم ہے یہ پرہیز ہے ۔ پانی کا استعمال روک دیا گیا ہے

جسمانی علاج سو یہ زمان و مکان و حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہا ہے اور ہو سکتا ہے اہل عرب ترک سے علاج کرتے تھے۔ مثلاً کھانا ترک کر دیا۔ سابقہ اہل ہند مفردات سے اور یونانی مرکبات سے علاج کرتے تھے۔ ہاں اس بات پر تقریباً سب متفق ہیں کہ جب تک غذا سے علاج ہو سکتا ہے دوا استعمال نہ کرائی جائے اور اسی طرح جب تک مفردات سے علاج ہو سکتا ہے مرکبات استعمال نہ کریں اسی لئے بچوں کی دوا جب اپنی حد سے بڑھ جاتی ہے تو سلیم اعضاء کو نقصان دیتی ہے ان کا علاج غذا ہی سے بہتر ہے۔ ویسے یہ تجربہ کی بات ہے کہ جو لوگ مفرد غذا کھاتے ہیں ان کا مرض مفرد دوا سے دور ہو جاتا ہے اور جو لوگ کئی مرکب غذائیں استعمال کرتے ہیں ان کا علاج مرکبات ہی سے ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے ہر مرض کی دوا ضرور پیدا کی ہے چنانچہ صحیحین میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آنحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا نے کوئی ایسا مرض پیدا نہیں فرمایا جس کی دوائی نہ اتاری ہو اور نہ پیدا کی ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ جب ہر مرض کی دوا اللہ نے پیدا کی ہے تو بعض مرتبہ دوا سے شفا کیوں نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مرتبہ مرض کی پہچان نہیں ہوتی۔ بعض مرتبہ دوا کی مقدار میں فرق ہو جاتا ہے۔ یا مرض اور ہے دوا اور ہے ورنہ وحی الٰہی میں غلطی ناممکن ہے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ امراض جسمانی کی جڑ فساد معدہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ابن آدم نے کوئی برتن اس سے حصہ نہیں بھرا جتنا کہ پیٹ کا برتن بھر لیا ورنہ ابن آدم کے لئے چند لقمے وہی کافی تھے جس سے کمر مضبوط ہو جاتی اور کھانا ہی ہے تو پیٹ کے تین حصّے کر لے ایک حصّہ خوراک کے لئے ایک حصّہ پانی کے لئے ایک حصہ سانس لینے کے لئے چھوڑ دے (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ حاکم۔ ابن حبان)

معدے سے دو طرح کے امراض پیدا ہوتے ہیں پہلا کھانا ہضم ہونے سے پہلے دوسرا بھر لینا۔ یا بدن کو جتنی خوراک کی ضرورت تھی اس سے زائد کھا لینا یا پھر کم نفع کثیر الضرر غذا کھا لینا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے سولہ سال سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا کیونکہ اس سے سستی قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے نیند زیادہ آتی ہے جس سے عبادت میں سستی ہوتی ہے البتہ گاہے بگاہے ایسا کر لینا مضائقہ ندارد۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معالجات

مرض کو برا بھلا نہ کہنا چاہیئے

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بخار کا تذکرہ ہوا تو ایک آدمی نے بخار کو برا بھلا کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخار کو برا بھلا نہ کہو یہ تو گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے آگ لوہے کے زنگ کو کھا جاتی ہے (سنن) ایک روایت میں ہے یہ گناہوں کو صاف کرتا ہے تم گھالی دیتے ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کیا کرو۔

شہد سے علاج

صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستوں کا علاج شہد پینے سے فرمایا ہے اس لئے کہ شہد میں بہت فوائد ہیں۔ رگوں اور آنتوں کے میل کچیل کو صاف کرتا ہے۔ پیشاب لانے والا ہے۔ جن کا مزاج تر ٹھنڈا ہو۔ بوڑھے اور بلغمی مزاج والوں کے لئے مفید ہے۔ افیم کی جگہ استعمال کیا جائے تو مفید ہے۔ کتے کے کاٹے ہوئے کو پانی میں ملاکر پلانا فائدہ مند ہے۔ گوشت اس میں ڈال دیا جائے تو تین ماہ تک نہیں سڑتا۔ اسی طرح کھیرا ککڑی بیگن چھ ماہ تک شہد کی وجہ سے خراب نہیں ہوتے اسی طرح دوسرے زروٹ بھی محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مردے کے جثہ کو محفوظ رکھتا ہے۔ آنکھوں میں شہد لگانے سے نگاہ تیز ہو جاتی ہے شہد لگاکر مسواک کرنے سے دانت صاف ہو جاتے ہیں۔ مسوڑھے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ نہار منہ چاٹ لینے سے بلغم ختم ہو جاتا ہے۔ فضلات کو پکاتا ہے اور خارج کر دیتا ہے۔ سُدے کھولتا ہے یہ غذا کی غذا اور دوا کی دوا ہے اور پینے کی عمدہ چیز ہے مفرحات میں مفرح ہے۔ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہار منہ پانی میں ملاکر پیا کرتے تھے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے جو شخص ہر ماہ تین صبح اسے چاٹ لیا کرے وہ بڑی بڑی تکالیف سے بچا رہے گا۔

زخم پر راکھ ڈالنا

زخم لگ جائے تو چٹائی جلا کر راکھ بھر دینا بھی مفید ہے جیسا کہ جنگ اُحد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم میں بھری تھی۔ اور اگر یہی راکھ خالی یا سر کہ میں بھگو کر نکسیر والوں کو سنگھائی جائے تو مفید ہے۔

بے ہوش ہو جانا

یہ کبھی تو مرض جسمانی سے ہوتا ہے اور کبھی ارواح ارضی کے اثر سے ہوتا ہے جب یہ بے ہوشی ارواح ارضی سے ہو تو خالق کے ارواح کی طرف توجہ تام کریں اور قوت قلب کے ساتھ تعوذ کریں۔ اس وقت توحید توکل اور توجہ تام ہونا شرط ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے اُخْرُجْ عَدُوَّ اللّٰہِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مصروع کے کان میں افحسبتم انما خلقناکم عبثا (ابوداؤد)

وانکم الینا لا ترجعون آخر سورت تک پڑھا جائے۔ آیت الکرسی بار بار پڑھے جانا۔ اسی طرح معوذتین خوب پڑھا جائے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر پورا پورا اعتماد رکھکر پڑھے ضرور فائدہ ہوگا۔

عرق النساء:- یہ ایک درد ہے جو انسان کے کولھے سے شروع ہوتا ہے پھر ران تک اور بعض دفعہ ٹخنے تک آجاتا ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے سنا۔ فرماتے تھے عرق النساء کی دوا یہ ہے کہ جنگلی بکری کا الیہ (یعنی چکتی یا سرین) کی چربی لے کر پگھلا کر اس کے تین حصے کریں اور تین دن روزانہ نہار منہ ایک ایک حصہ پلا دیا جائے (بکری مذبوحہ ہو)

ذات الجنب

پسلیوں میں کسی قسم کا درد ہو جائے اسے عموماً پسلی چلنا کہتے ہیں۔

علامات۔ بخار۔ کھانسی۔ درد۔ سانس رک رک کے آنا یا سانس پھولنا اس میں نبض منشاری ہوتی ہے

علاج۔ قسط بحری جسے عود ہندی کہتے ہیں خوب باریک کوٹ لیں اور گرم زیتون کے تیل میں ملا لیں اور درد کی جگہ ملیں یا چٹائیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذات الجنب کا علاج قسط بحری اور زیتون سے کرو۔ (ترمذی)

درد سر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر کے درد والے کے سر پر کپڑے کی پٹی باندھ دیا کرتے تھے اسی سے آرام ہو جاتا تھا۔ نیز آپ نے دردِ سر کا علاج مہندی سے بھی فرمایا ہے۔ سو مہندی کو پیس کر سر پر اس کا لیپ کریں اور یہ دردِ سر کے علاوہ ہر درد کا علاج ہے گرمی سے جو ورم ہو جاتا ہے۔ اس کیلئے بھی نافع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں کے درد کے لئے بھی مفید بتلایا ہے کہ اس پر مہندی لگاؤ (رواہ البخاری فی تاریخہ)

اگر منہ میں زخم ہو جاویں تو مہندی چبائی جائے۔ بچے کے پھنسیاں نکلنے لگیں تو اس کے تلوے پر مہندی لگا دیں انشاء اللہ نکلنا بند ہو جائیں گی۔ مہندی کے پھول گرم کپڑوں میں رکھ دیں تو ان کو کیڑا نہیں لگتا۔ اگر جذام کی ابتداء ہو جائے تو مہندی کے پتے ۲۰ درہم شیریں پانی میں بھگو دیں کہ پتے سب پانی میں ڈوب جائیں پھر ان کو نچوڑ کر اس پانی میں دس درہم شکر ملا کر چالیس روز تک پلائیں اور بکری کا گوشت کھلائیں جذام کے لئے بہت نافع ہے۔

عذرہ:- یعنی گلے پھول جانا۔ یہ ایک زخم ہے جو کان اور حلق کے درمیان میں نکلتا ہے شاید اسے کیڑا بھی کہتے ہیں دراصل خون پر بلغم غالب ہو جاتا ہے قانون میں لکھا ہے کہ کسی کے کوے گر جائیں تو قسط بحری یعنی شب یمانی اور مروے کے بیج سے علاج کریں یعنی تخم ریحان قسط بحری کو عود ہندی کہتے ہیں یہ سفید ہوتی ہے۔

اسے کوٹ کر چھان کر گوندلیں پھر سکھالیں بوقت ضرورت مریض کو چیت لٹا کر کندھے ذرا اونچے کریں تاکہ سر نیچا ہو جائے اس کی ناک میں یہ ڈالی جاتی ہے اس طرح دوائی ٹپکانے کو سعوط کہتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام المومنین رض کے یہاں تشریف لائے تو وہاں ایک بچے کو دیکھا جس کے ناک کے نتھنوں سے خون بہہ رہا تھا آپ نے دریافت فرمایا اسے کیا ہوا۔ عرض کیا۔ اسے عذرہ ہے اس کے گلے پھول گئے ہیں۔ یا اس کے سر میں درد ہے فرمایا تمہیں ہلاکت ہو تم اپنی اولاد کو کیوں مارتی ہو۔ (یہ شفقتاً فرمایا) جس عورت کے بچے کو عذرہ ہو جائے یا دردِ سر ہو تو قسط بحری (یعنی عود ہندی) لیکر پانی سے رگڑیں پھر اس بچے کی ناک میں ٹپکائے حضرت عائشہ رض نے ان عورتوں کو بتایا اور انہوں نے پھر ایسا ہی کیا اور آرام ہو گیا۔ (سنن و مسند)

وجع القلب

دل کا درد۔ حدیث حضرت سعد رض کہتے ہیں میں بہت بیمار ہو گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ آپ بیمار پرسی فرمایا کرتے تھے آپ نے میری چھاتی کے درمیان دست مبارک رکھا۔ مجھے آپ کی انگشت مبارک کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اور فرمایا تم کو

دل کی بیماری ہے تم قبیلہ بنی ثقیف میں حارث بن کلاہ کے پاس چلے جاتے۔ وہ شخص طب سے واقف ہے اچھا تم مدینہ منورہ میں عالیہ کی عجوہ کھجور کے سات دانے لو ان کو مع گٹھلی کے کوٹ لو پھر ان کو منہ کی ایک جانب سے چوس لو۔ (ابو داؤد)

عامر بن سعدؓ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عالیہ کی عجوہ کی سات کھجوریں صبح صبح کھالے تو اس دن اسے زہر اور جادو اثر نہ کرے گا۔ (صحیحین)

عالیہ مدینہ منورہ کے اوپر والے حصے کو کہتے ہیں ان مواضع کو عوالی کہا جاتا ہے۔ عالیہ کی کھجور معتدل غذا اور صحت کی محافظ ہوتی ہیں۔ کھجور کے ساتھ کالی مرچ سونٹھ ملا کر کھانے سے فضلات پیدا نہیں ہوتے۔

پھنسی کا علاج

بعض ازواج مطہرات فرماتی ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میری انگلی میں پھنسی نکلی ہوئی تھی آپ نے فرمایا تمہارے پاس ذریرہ ہے عرض کیا ہاں ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو پھنسی پر لگاؤ اور یہ کلمات کہو۔

اَللّٰھُمَّ مُصَغِّرَ الْکَبِیْرِ وَمُکَبِّرَ الصَّغِیْرِ صَغِّرْ مَا بِیْ (رواہ الحاکم وقال صحیح الاسناد)

ذریرہ ہندوستانی دوائی کا نام ہے۔ خشک گرم ہوتی ہے۔ معدہ جگر اور استسقاء کے ورموں میں بھی کام آتی ہے۔ صحیحین میں روایت ہے ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے ذریرہ کیساتھ خوشبو لگائی۔

ذریرہ کو خوشبو کے ساتھ پکانے اور مادہ نکالنے کی طاقت ہے اور زخم کی سوزش کو ٹھنڈا کرتی ہے۔

اس لئے قانونچہ میں لکھا ہے بدن جل جائے تو گلاب کا تیل اور سرکہ میں ذریرہ ملا کر لگانا نافع ہے۔

آنکھیں دکھنی آجائیں تو ایک علاج اس کا یہ بھی ہے کہ حرکت کرنے سے بچیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تک ازواج مطہرات میں سے کسی کی آنکھیں دکھتی تھیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درست ہونے تک قربت نہ فرماتے تھے (ابو نعیم فی)

ف :۔ جس طرح گرم خشک اور گرم تر ہوا خلائے آسمانی میں دونوں چڑھتی ہیں تو ان سے بادل پیدا ہوتے ہیں اسی طرح سمجھو کہ انسان کے معدے سے اخلاط رہتی ہیں۔ اور مختلف امراض پیدا ہو جاتے ہیں اگر طبیعت قوی ہے تو ان بخارات کو خیشوم کی طرف پھینکدیتی ہے جس سے زکام ہونے لگتا ہے اگر گلے کی طرف پھینکا تو خناق نزلہ شروع ہو جاتا ہے آنکھ کی طرف پھینکا تو درد چشم ہوا۔ پیٹ کی طرف پھینکا تو دست شروع ہوں گے دماغ کی طرف گئے تو نسیان پھر کبھی یہ بخارات سر سے نفوذ کر نا چاہیں گے اور طاقت نہ ہوگی تو درد سر یا کم خوابی اور اگر یہ گیس سر کے کسی خاص حصے میں گئی تو آدھے سر کا درد۔ اگر دماغ میں نمی ہوئی تو چھینک آتی ہیں یہی بخارات و گیس پٹھوں کی طرف چلے تو بے ہوشی اگر سر کے تمام پٹھے مرطوب ہوگئے تو فالج ہو جاتا ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ آنکھ دکھنے میں تمام سر اور بدن متحرک ہوتا ہے۔ جماع اور زیادہ حرکت پیدا کر دیتا ہے کیونکہ اس وقت تمام بدن متحرک ہوتا ہے اس سے مزید امراض پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے آنکھ دکھے تو حرکت کم کرے اور سکون و راحت اختیار کرے۔ آنکھ کو کم ہاتھ لگائے۔ مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ آنکھیں دکھیں تو

ٹھنڈے پانی سے بھی علاج کریں ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی زینب سے اس وقت کہا جبکہ ان کی آنکھ دکھتی آرہی تھیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دوا کیوں نہیں کرتیں ۔ ٹھنڈے پانی کے اس پر چھینٹے دو اور یہ دعا پڑھو ۔

"اذهب الباس رب الناس واشف انت الشافي لا شفاء الا شفاءك شفاء لا يغادر سقما"

زہر اور سمیات کا علاج

موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے زہر کا علاج یہ ہے کہ زہر کے اثرات کو زائل کیا جائے یا ایسی دوائیں دیں جس سے زہر کا اثر دور ہو جائے ۔ اس کا ایک طریقہ پچھنے لگوانا ہے ۔ زہر خون میں اثر کرتا ہے اور خون کے ذریعہ دل میں جاتا ہے اور ہلاکت ہو جاتی ہے ۔ پچھنے سے خون نکل جاتا ہے ۔ خون کے ساتھ زہر کا اثر بھی نکل جاتا ہے اور قلب میں اثر نہیں کرتا ۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علاج تجویز کیا ہے اور کندھا ایسی جگہ ہے جہاں سینگی بالکل فٹ بیٹھتی ہے اور قلب سے تعلق ہے اس لئے زہر کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ آپ کو شہادت عظمیٰ سے نوازا جائے اس لئے زہر کا اثر سے شہادت پائی ۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے ۔

حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودن نے جو خیبر کی رہنے والی تھی آپکی خدمت میں بھنا ہوا گوشت بھیجا ۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے ۔ اس نے کہا یہ ہدیہ ہے وہ جانتی تھی کہ آپ صدقہ تناول نہ فرمائیں گے سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور صحابہ کرام نے بھی تناول فرمانا شروع کیا ۔ مگر آپ نے فرمایا کہ ہاتھ روک لو اور یہودن سے کہا کیا تو نے اس میں زہر ملایا ہے اس نے کہا آپ کو کس طرح معلوم ہوا ۔ آپ نے فرمایا اس گوشت نے مجھے کہا ہے ۔ بکری کی پنڈلی کی ہڈی آپ کے ہاتھ میں تھی اس کی طرف اشارہ کیا کہ اس نے بتایا ہے ۔ یہودن نے اقرار کر لیا ۔ آپ نے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا ہے یہودن نے کہا کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ دیکھوں اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو آپ کو اس سے ضرر نہ ہوگا ورنہ لوگ آپ سے راحت پائیں گے ۔ سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھے پر تین سنگھیاں لگوائیں اور صحابہ کرام کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی سینگیاں لگوائیں انہوں نے بھی لگوائیں ۔ اس کے تین سال تک حیات رہے ۔ انصار میں سے بنو بیاضہ کا ایک غلام تھا ابو ہند اس نے سینگی لگائی تھی مگر وفات سے قبل یہی درد ہوا ۔ فرمایا خیبر میں جو گوشت کھایا تھا اس کا اثر برابر مجھے ہوتا رہا حتیٰ کہ اب میری رگ کٹ چکی ہے اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے (مسند عبد الرزاق)

سحر

یہ مرکب ہوتا ہے ارواح خبیثہ کی تاثیر اور طبیعت کے اثر قبول کرنے سے، لہٰذا اس کا علاج توت وقلب لانے والے اذکار و آیات سے کیا جائے یہ دو لشکر ہوتے ہیں جو قوی ہو گا غالب آجائے گا ۔ جب دل توحید و توکل سے بھرا ہوا ہو گا اذکار دعوات کا زبان و قلب ساتھ دیں گے تو سحر اثر نہ کریگا اس لئے یہ سحر عورتوں، بچوں اور جاہلوں پر زیادہ چلتا ہے یا جو نفوس شہوانی سفلیت کی طرف مائل ہوں ان پر چلے گا سو جب دعوات واذکار اعتقاد و یقین پر ہو گا تو سحر کیا اثر کرے گا ۔

مسحور کو چاہیئے اس کی طرف التفات ہی نہ کرے کچھ نہ ہو گا ۔ ورنہ ساحر تصور کرے گا ایسے کچھ ہو جائے اور مسحور بھی تصور کرے کہ مجھے کچھ ہو گیا ہے ۔ اور ارواح خبیثہ بھی ادھر آئیں گی مرجو اس قسم کی خیالی خرابی کی طرف

مسلط کی گئی ہیں اور اس کے پاس قوت قلب اور یقین یا اوراد و اعمال کا شکر ہے نہیں تو سحر غالب آجائے گا ورنہ نہیں لہٰذا قلب و زبان کو اس طرف سے پاک رکھے اور دل سے یقین کامل رکھے کہ مجھے کچھ نہیں ہو سکتا دعائیں پڑھتا ہے محفوظ رہے گا۔ الا یہ کہ اللہ ہی کا حکم ہو تو کون مانع ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا حکم تھا۔ مگر آپ کو وحی الٰہی میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ صرف امراضِ جسمانیہ کی طرح سے لاحق ہوا۔ مثلاً ایک کام کر لیا مگر معلوم ہوتا کہ نہیں کیا ہے اور یہ داخل نبوت بھی عاداتِ بشریہ میں سے ہے۔

صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سحر کیا گیا تو آپ کا ایسا حال ہو گیا تھا کہ آپ کو بعض ازواج کے پاس آنے کا خیال ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں تھا یا ایک کام نہیں کیا اور خیال ہوتا کہ کر لیا ہے یا کر لیا ہوتا خیال ہوتا کہ نہیں کیا ہے اور یہ سحر کی وجہ سے اشد حالت تھی۔ (بخاری و مسلم) اور معوذتین اس سحر کے دفعیہ اور علاج کے لئے نازل ہوئیں اور آپ کا سحر دفع ہو گیا۔ پھر ہمیشہ آپ سورۂ اخلاص اور معوذتین مع بسم اللہ کے پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے تمام بدن پر ہاتھ پھیر لیتے تھے اس طرح تین مرتبہ فرماتے اور یہ عمل پھر آخر عمر تک جاری رہا۔

عدویٰ یعنی ایک شخص کی دوسرے کو بیماری لگنا

اصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے انسان کے وہم و خیال میں اخذ یعنی لینے کی قوت رکھی ہے اور انسان کے تصور و خیال میں ایک گونہ ایسی طاقت رکھی ہے کہ تصور کرنے ہی سے وہ بات حاصل ہو جاتی ہے بلکہ یوں کہو کہ انسان جیسا تصور و خیال کرتا ہے۔ حق تعالیٰ ویسا ہی کر دیتے ہیں۔ اس لئے انسان کو یقین و توکل اور ایمان کامل رکھنا چاہیے۔ جب مومن کو خیال ہی نہ ہوگا کہ بیماری بھی کسی کو لگ سکتی ہے یہ ناممکن ہے، اس قوت قلب کی وجہ سے اسے بیماری لگ ہی نہیں سکتی۔ یہی تعلیم ہے اس حدیث میں کہ ایک کوڑھی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ پیالے میں بٹھا کر ساتھ کھانا کھلایا فرمایا بسم اللہ کہو اور کھاؤ (ترمذی) سو توکل کی برکت سے آپ کو کچھ بھی نہیں ہوا۔ اور ضعیف الایمان ہوگا اسے یہی خیال رہے گا کہ یہ بیماری مجھے لگے گی اور اب لگی اور اب لگی ایسے کمزور آدمی کو ارشاد ہے کہ بیماری کے پاس دیر تک نہ رہے جیسے بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ بیمار پرسی کے لئے جاؤ تو مریض کے پاس دیر تک نہ رہو (بخاری و مسلم) یا ایسے مریض کو تندرست کے پاس نہ لاؤ۔

حرام کے اندر شفا نہیں ہے

اللہ پاک نے جو اشیاء حرام کی ہیں ان کی نجاست یا خباثت کی وجہ سے کی ہیں لہٰذا نجس یا خبیث شئے سے کیا علاج ہوگا اور بعض دفعہ جو ایسی چیز سے فائدہ ہوتا ہے تو ضرور کسی دوسری بیماری کو آجلاً یا عاجلاً لا کر کھڑا کر دیتی ہے اس لئے حرام دوائی کرنا ہی نہ چاہیے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے طارق بن سوید حضرمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری زمین میں انگور ہوتے ہیں ہم ان کو نچوڑتے (اور شراب بنا کر) پیتے ہیں آپ نے ان کو منع فرمایا انہوں نے دوبارہ پھر عرض کیا کہ ہم اپنے بیماروں کو شفا کے لئے پلاتے ہیں تو آپ نے فرمایا حرام میں شفا نہیں بلکہ مرض ہے۔

حرام چیز اگر جسم کو فائدہ دے تو قلب کو مریض بنا دیتی ہے۔ ایک دفعہ شفا ہو گئی تو عادت پڑے گی اور بلا علت کے بھی استعمال کرنے لگیگا اس نے شارع علیہ السلام کے مقصود کے بالکل خلاف ہوگا۔ لہذا سد الذرائع بھی منع کیا گیا ہے۔

اور شراب تو دماغ کو خشک کر دیتی ہے پھر شفا کی شرط یہ ہے کہ طبیعت اس دوا کو مانگے اور اسے قبول کرے حرام سے تو طبیعت سلیم نفور کریگی تو پھر کیا خاک نفع ہوگا۔

مریض کا دل خوش کرنا بھی ایک معالجہ ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مریض کے پاس جاؤ تو اس کو عمر میں برکت ہونے کی بات کہا کرو کیوں کہ آپ کے کہنے سے تقدیر تو ٹلیگی نہیں ہاں مریض کا جی خوش ہو جائے گا (ابن ماجہ)

طبیب مریض تسلی تشفی کرے تو یہ ایک موثر علاج ہے اس سے اس کی طبیعت قوت پکڑیگی اور قوت مرض کو دفع کردیگی اس لئے ایسی باتیں کریں جس سے اس کو سکون ملے۔ روح کو قوت ملتی ہے اس لئے مریض کے محبوب یا محترم آدمی کے جانے سے مرض میں تخفیف ہو جاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے اسی لئے عیادت مریض کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے پاس جاتے اس کا مرض اور شکایت دریافت فرماتے۔ کیا حال ہے اسے کوئی خواہش ہوتی معلوم کرتے۔ اس کی پیشانی پر کبھی چھاتیوں کے درمیان دست مبارک رکھتے۔ دعا دیتے۔ فرماتے کوئی مضائقہ نہیں انشاء اللہ خیر ہی ہے پاک کرنے والا ہے " لاباس طہور انشاء اللہ" کہتے اپنے وضو کا پانی اس پر ڈالدیتے۔ مقصد یہ ہے کہ مریض کی دلبستگی فرماتے جب اسے انشراح ہوتا وہ خود بخود اچھا ہو جاتا۔

علاج کا ایک جزو اعظم پرہیز ہے۔

صحت مند آدمی کو مضرات سے پرہیز کرنا اور مریض کو مرض بڑھانے والی اشیاء سے پرہیز لازم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اے علی کھجور نہ کھاؤ کیونکہ تم ابھی ضعف میں مبتلا ہو اور ان کو چقندر کا حریرہ بتلایا کہ وہ تمہاری طبیعت کے موافق ہے۔

حارث بن کلاہ عرب کا مشہور طبیب جسے بقراط وقت کہا جاتا ہے اس کا قول ہے۔

الحمیۃ راس کل دواء وعودوا کل بدن ما اعتادہ ۔ یعنی پرہیز کرنا ہر دوا کا سردار ہے اور بدن کو جس کی عادت ہو اس عادت کو پورا کرو۔

اس کا قول ہے کھانا ترک کر دینا بھی دوا ہے اسی کا قول ہے " المعدہ بیت الداء " معدہ امراض کی جڑ ہے۔ ابتدائی مریض کو بھوکا رکھنا عمدہ علاج ہے اور مریض کی طبیعت جس چیز کو قبول کرتی ہو تو معدہ جتنا آسانی کے ساتھ قبول کرے کھلا دینا بھی مفید ہے اس سے صحت میں مدد ملتی ہے طبیعت خوش ہو کر مرض کو دفع کرتی ہے یہ اس سے زیادہ نافع ہے کہ طبیعت نہ مانتی ہو اور اسے کھائے۔

(باقی آئندہ)

ہنسی مذاق

اور

شعائرِ اسلام

افادات: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ترتیب: محمد اسلم ناظم مجلس صیانۃ المسلمین — ہارون آباد

(غیر شرعی ہنسی مذاق کی مذمت)

آیت قرآنی: (۱) وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا

اور یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی کرنے لگتے ہیں (سورۃ انبیاء آیت ۳۶)

(۲) لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ط

کوئی جماعت کسی کے ساتھ تمسخر ٹھٹھا نہ کرے شاید وہ اللہ کے نزدیک اُن سے بہتر ہوں

احادیثِ مبارکہ: (۱) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو لوگ دوسرے لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں آخرت میں اِن کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائیگا اور اس کی طرف بلایا جائے گا جب وہ سرکتا سسکتا ہوا وہاں تک پہنچیگا تو بند کر دیا جائے گا اسی طرح برابر جنت کے دروازے کھولے اور بند کئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ مایوس ہو جائے گا اور بلانے پر دروازہ جنت کی طرف نہ جائے گا۔ بیہقی (گناہ بے لذت ص۳)

(۲) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں نے کسی انسان کی نقل اُتاری تو نبی کریمؐ نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے تو کوئی بڑی سے بڑی دولت بھی کسی کی نقل اُتارنے پر ملے تو میں کبھی نہ اُتاروں (احیاء العلوم)

ف: اس میں اشارہ اس کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ یہ گناہ ایسا بے لذت ہے کہ اس میں کوئی بھی فائدہ نہیں، اور بالفرض کوئی فائدہ ہوتا بھی جب بھی اس کے پاس نہ جانا چاہیئے۔

(۳) حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو

اس کے گناہوں پر عار دلائے وُہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اس گناہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ احمد بن منیع رضؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ گناہ سے وُہ گناہ مراد ہیں، جس سے توبہ کر لی گئی ہو۔

(۴) ایک شخص کی ریح خارج آواز کے ساتھ ہو گئی لوگ ہنسنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خطبہ میں زجر و تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا جو کام تم سب خود بھی کرتے ہو اس سے کیوں ہنستے ہو۔ (احیاء العلوم)

(۵) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدمی وُہ بات کرتا ہے کہ جس سے اس کے پاس والے ہنسیں اور اس کے باعث دوزخ میں ثریا سے دُور جا پڑتا ہے۔

(۶) حضرت قاسمؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی ایک سُرخ اُونٹ پر سوار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا پھر جب اُونٹ کو آگے بڑھانے کا ارادہ کیا کہ کچھ پوچھے اونٹ نے بھڑکنا شروع کیا کئی بار ایسا ہوا صحابہؓ یہ دیکھ کر ہنسنے لگے آخر کو یہاں تک بھڑکا کہ وہ سوار اونٹ سے گرا اور مر گیا لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اُونٹ نے اس اعرابی کو پٹک دیا وُہ مر گیا آپؐ نے فرمایا وہ مر گیا مگر اس کا خون تمہارے منہ میں بھرا ہوا ہے۔ (احیاء العلوم ۳ ج)

(۷) حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسخرے پن سے لوگوں کو ہنساتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوتا ہے اور جب تک اس کو جہنم میں داخل نہ کر دے راضی نہیں ہوتا۔

(بخاری و مسلم)

(۸) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے بھائی سے نہ تو جھگڑا کرو، نہ اس سے ٹھٹھا کرو، نہ اس سے ایسا وعدہ کرو جس کی تم خلاف ورزی کرو۔ (ترمذی)

(۹) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب لوگوں میں زیادہ گناہ اس شخص کے ہوں گے جو کثرت کے ساتھ بے فائدہ باتیں کرتا ہے نیز ارشاد فرمایا۔ اکثر گناہ ابن آدم کے اس کی زبان میں ہیں۔ (طبرانی)

(۱۰) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص نے باوجود حق پر ہونے کے جھگڑے اور لڑائی کو ترک کر دینے کی وجہ سے اپنے مطالبہ سے دست برداری کر لی تو میں اس کے لئے اس امر کا ذمہ دار ہوں کہ اس کا گھر جنت کے ابتدائی حصہ میں بنا دیا جائے اور جس شخص نے جھوٹ بولنا ترک کر دیا ہنسی مذاق دل لگی میں جھوٹ نہیں بولا اس کے لئے میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس کا گھر جنت کے بیچوں بیچ بنایا جائیگا اور جس شخص نے اپنے اخلاق کو درست کیا اس کے لئے میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس کا مکان جنت میں سب سے اُونچی جگہ ہوگا۔ (ابو داؤد)

کثرتِ ضحک کے متعلق اقوالِ زرّیں !

اِیَاکُمْ وَکَثْرَۃُ الضِّحْکِ فَاِنَّہٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ ۔ ہنسنا جائز ہے لیکن اس کی کثرت دِل کو مردہ کردیتی ہے۔

(۱) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جو بہت ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہوتی ہے۔

(۲) سعید بن العاص نے اپنے بیٹے کو فرمایا کہ شریف آدمی سے ہنسی نہ کر کہ تجھ سے دشمنی کریگا اور کمینے سے، ہنسی نہ کر تجھ پر جرأت کرنے لگے گا۔

(۳) حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ خدا سے ڈرو اور ہنسی سے کوسوں بھاگو اس سے کینہ پیدا ہوتا ہے اور انجام بُرا ہوتا ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ مزاح سے عقل سلب ہو جاتی ہے حضرت زہریؒ نے ایک شخص کی فحش کلامی سُن کر فرمایا "ہوش کر کہ تو خدا تعالےٰ کے نام کیسا خط بھیج رہا ہے"!

حضرت یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں ہنسی مذاق کے ایک لغو کلمے کو چھوڑنا نفس کیلئے ایک دِن کے روزے سے مشکل ہے کیونکہ انساں بسا اوقات سخت گرمی میں روزہ رکھ لیتا ہے لیکن لغو کلمے سے نہیں رُک سکتا۔ (مخزنِ اخلاق)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرّہ فرماتے ہیں کہ دوسروں پر ہنسنا نہ چاہیئے اکثر دیکھا ہے جو جس پر ہنسا خود اس عیب یا مُصیبت میں مبتلا ہوا۔ (کمالات اشرفیہ)

حضرت شیخ فرید عطارؒ فرماتے ہیں۔ با بزرگتر از خود مزاح مکن۔ اپنے بڑے کے ساتھ مذاق نہ کر۔ از سخنے کہ خندہ آید حذر کن۔ جس بات سے ہنسی آئے اُس سے پرہیز کر۔

ہر کہ را گفتار بسیارش بود — دل درونِ سینہ بیمارش بود

جس شخص کی گفتگو بہت زیادہ ہو اس کے سینے میں دِل بیمار ہوتا ہے۔

اے برادر جز ثنائے حق مگو — قولِ خود از برائے دق مگو

اے بھائی اللہ کی تعریف کے سوا نہ بول کسی کو تنگ کرنے یعنی فضول ہنسی مذاق کرنیکے لئے بات نہ کر۔

دل زپر گفتن بمیرد در بدن — گرچہ گفتارش بود دُرِّ عدن

زیادہ بولنے سے دل جسم میں مرجاتا ہے اگرچہ اس کی باتیں عدن کے موتیوں جیسی ہوں۔

(پند نامہ عطار ص۸۳)

ہنسی مذاق کے شرعی مسائل

مسئلہ ۱ ایسا ہنسی مذاق جس میں مخاطب کی دِل آزاری یقینی ہے وہ باجماع حرام ہے اس کو مزاحِ جائز میں داخل سمجھنا، گناہ بھی ہے اور جہالت بھی۔ (گناہ بے لذت)

مسئلہ ② ہنسی مذاق میں کسی کے عیب کا اظہار اس طرح کیا جائے جس سے لوگ ہنسیں، اس میں بہت سی صورتیں داخل ہیں مثلاً۔

① کسی کے چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، ہنسنے بولنے وغیرہ کی نقل اتارنا یا قد و قامت اور شکل وصورت کی نقل اتارنا۔

② اس کے کسی قول وفعل پر ہنسنا۔

③ آنکھ یا ہاتھ کے اشارہ سے اُس کے عیب کا اظہار کرنا۔

یہ وہ گناہ بے لذت ہیں جو آجکل مسلمانوں میں وباکی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ (گناہ بے لذت صفحہ ۵)

مسئلہ ③ جب انسان غلطی سے کوئی کفر کی بات کہدے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جب کفر کا کلمہ زبان سے نکالا تو ایمان جاتا رہا اگر ہنسی دل لگی میں کفر کی بات کہے اور دل میں نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے کہ ایمان جاتا رہتا ہے جس سے نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے اور گزشتہ عمر کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اب اگر نئے سرے سے ایمان قبول کر لیا تو نکاح دوبارہ کرنا پڑے گا۔ بشرطیکہ بیوی بھی راضی ہو اگر حج کر چکا ہے تو وہ بھی دوبارہ کرنا پڑے گا غرض اب سب نیک اعمال نئے سرے سے شمار ہوں گے پچھلے کئے ہوئے نیک کاموں کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ [1]

مسئلہ ④ اسلام کے طور طریقوں (شعائر) اور احکام اسلام کا مذاق اُڑانا۔ جیسے۔ داڑھی کا مذاق اُڑانا۔ عورتوں کے پردے کا مذاق اُڑانا۔ نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ کا مذاق اڑانا۔ فرشتوں کا مذاق اڑانا، ان سب باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ [2]

مسئلہ ⑤ بعض لوگ ناواقفیت یا غفلت سے ہنسی مذاق کو خوش طبعی میں داخل سمجھ کر اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے، مزاح جائز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اسکی شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی بات خلاف واقعہ زبان سے نہ نکلے اور کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ اور یہ بھی مشغلہ اور عادت نہ بنے، کبھی کبھی اتفاقاً ہو جائے۔

مسئلہ ⑥ ایسا مزاح جس میں کسی مسلمان کو رنج اور تکلیف نہ پہنچے اور انبساط قلب کے لئے کیا جائے جائز ہے جس مزاح میں کسی مسلمان کی تذلیل ہو یا اسے تکلیف پہنچے یا ایسی بیہودہ باتیں جن سے لوگ قہقہے لگائیں یا گالی اور فحش ہو، ایسا مزاح جائز نہیں ایسے مزاح سے انسان خدا کی رحمت سے آسمان و زمین کے فاصلہ سے بھی زیادہ دور ہو جاتا ہے۔

(احیاء العلوم)

مسئلہ ⑦ محض لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں بنانے کی عادت مت ڈالو زیادہ مت ہنسو اس سے دل مُردہ ہو جاتا ہے یعنی اس میں قساوت و غفلت آجاتی ہے اور چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے۔ (تعلیم الدین صفحہ ۳)

دل مردہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دل اللہ تعالےٰ کی جانب متوجہ نہ رہے اور نرمی درحم

---

[1] [2] رسالہ نافعہ حفاظت ایمان صفحہ ۔ مطبوعہ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان۔

اور رقت دل میں نہ رہے دل کے زندہ ہونے سے مُراد یہ ہے کہ دِل خدا کے نور سے بھرا ہوا ہو دین کی باتیں سُن کر بہت رونا آئے، اور دین کی باتوں سے دل کو سکون حاصل ہو، لیکن یہ عجیب اور الٹی بات ہے کہ محاورہ میں زندہ دِل اس کو کہتے ہیں جو بہت ہنسنے ہنسانے والا ہو؟

خرد کا نام جنون رکھ دیا جنون کا خرد

مسئلہ ⑧ ہنسی مذاق کی عادت افراط کے ساتھ اور اس پر مداومت ممنوع ہے مداومت سے تو دل ہمیشہ کھیل اور ہزلیات میں مصروف ہو جاتا ہے اور کھیل اگرچہ مباح ہی ہو مگر ہمیشہ اس کا مرتکب ہونا ممنوع ہے کثرت کے ساتھ ہنسی مذاق کی عادت ہونے کی وجہ سے طبیعت کو قہقہہ لگانے کی سوجھتی ہے۔ جس سے دِل مردہ ہے اور دل میں بغض پیدا ہوتا ہے اور ہیبت و وقار اُٹھ جاتا ہے اور اگر ہنسی اِن عیوب سے پاک ہو یعنی اس بات پر قادر ہو کہ ہنسی و دل لگی میں امر حق کو فروگذاشت نہ کرے تو جائز ہے (احیاء العلوم جلد سوم ص۱۸۰)

مسئلہ ⑨ ہنسی مذاق کے رنگ میں اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق پڑ جائے گی اسی طرح اگر کسی نے مذاق کے رنگ میں قسم کھائی کہ فلاں کام نہیں کروں گا دل میں بھی پختہ ارادہ نہ کرنے کا تھا لیکن پھر کر لیا تو کفارہ قسم کا پڑ جائے گا۔

مسئلہ ⑩ کسی کی کوئی چیز چھپا کر اُس کو پریشان کرنا بعد میں اس کو دے دینا بعد میں کہدینا بھائی میں نے تو ویسے ہی آپ سے مذاق کیا تھا چوری کرنے کا ارادہ نہیں تھا ایسا مذاق شرعاً ممنوع ہے۔

مسئلہ ⑪ اپریل فول کی رسم جو عیسائیوں کی رسم ہے کہ یکم اپریل کو وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مذاق کے رنگ میں جھوٹ بولتے ہیں مثلاً آپکے باپ مر گیا یا فلاں چیز کو آگ لگ گئی وغیرہ بعض مسلمان بھی اس رسم کی نقالی کرتے ہیں یاد رکھ ایسا مذاق کرنا شرعاً حرام ہے۔

غیر شرعی ہنسی، مذاق کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی رائے

ارشاد باری تعالیٰ ہے" یَا وَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا كَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصَاهَا" کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ صغیرۃ سے مراد کسی مسلمان پر استہزاء سے تبسم کرنا اور کبیرۃ سے اُس پر قہقہہ لگانا مراد ہے۔

مثلاً کسی کا عیب بتا کر حقارت سے اُس پر قہقہہ لگانا منع ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ۔

یعنی خرابی ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے کی۔ (گناہ بے لذت ص۱)

ہنسی، مزاح اور دل لگی کی شرعی حدود

قرآنی آیات ① فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا[1]۔ جب ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں

[1] سورہ النمل آیت ۱۹۔

سے کہا کہ اے چیونٹیو اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو۔ کہیں تم کو سلیمانؑ اور ان کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔ سو سلیمانؑ اس کی بات سے مسکراتے ہوئے ہنس پڑے۔

(۲) وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ۔[ا] یعنی ابراہیمؑ کی بیوی کھڑی تھیں، پس ہنسیں، سو ہم نے بشارت دی ان کو اسحٰق کی اور اسحٰق سے پیچھے یعقوب کی۔

احادیثِ مبارکہ

(۱) حضرت اسید بن حضیرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص انصار میں خوش مزاج تھے وہ ایک بار لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور ان کو ہنسا رہے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کوکھ میں ایک لکڑی جو آپ کے ہاتھ میں تھی (ہلکے سے) چبھو دی وُہ شخص کہنے لگے یا رسول اللہ مجھ کو بدلہ دیجئے۔ آپ نے فرمایا بدلہ لے لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کے بدن پر تو کرتہ ہے اور میرے بدن پر کرتہ نہ تھا آپؐ نے اپنا قمیص مبارک بدن سے اُٹھا دیا وہ شخص آپ سے لپٹ گئے اور آپ کی کوکھ کو بوسہ دینے لگے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ بس میرا تو یہ مطلب تھا۔

(ف) بعض نافہم ولایت وکمال کے لئے یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ بالکل مُردہ دِل ہو جائے اور اس میں کوئی عادت بشریہ نہ رہے۔ حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خوش طبعی اگر اعتدال کے ساتھ ہو قولاً یا فعلاً اس طرح سے کہ نہ دوسرے کی تحقیر ہو نہ اس کو ایذاء دینا مقصود ہو تو یہ منافی کمال اور بزرگی کے نہیں۔ خاص کر جب یہ مقصود ہو کہ اس سے دوسرے کی تطییب خاطر ہوگی یا اس سے بڑھ کر یہ کہ دوسرا بے تکلف ہو کر دِل کھول کر دین کی بات پوچھ سکے گا۔ تو اس صورت میں تو ایک گونہ عبادت ہو جاوے گی۔ (التکشف صد ۶۳۴)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں ہاں مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔

(ف) صحابہؓ کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذاق سے منع بھی فرما رکھا تھا اور ویسے بھی بڑائی کی شان کے خلاف ہے کہ یہ وقار کو گراتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری خوش طبعی اس میں داخل نہیں۔

یاد رکھو کثرت مزاح جو باعث قساوت قلب کا بن جائے یا اللہ جل شانہٗ کے ذکر و فکر سے روک دے یا ایذاء مسلم کا سبب بن جائے یا وقار و ہیبت گرا دے یہ سب ممانعت میں داخل ہے اور جو ان سب سے خالی ہو محض دوسرے کی دلداری اور اس کے انبساط کا سبب ہو وُہ مستحب ہے۔ (شمائل ترمذی صد ۲۲۴)

(۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کوئی سواری کا جانور مجھے عطا فرما دیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک اونٹنی کا

[ا] سورہ ھود آیت ۷۲۔

بچہ تم کو دیں گے۔ سائل نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بچہ کو کیا کروں گا؟ مجھے تو سواری کے لئے چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ہر اونٹ کسی اونٹ کا بچہ ہوتا ہے (شمائل ترمذی)

(ف) سائل کا گمان یہ ہوا کہ وہ چھوٹا نا قابل سواری ہوگا اس حدیث میں علاوہ مزاح کے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آدمی کو گفتگو میں دوسرے کی بات کمال غور و فکر سے سننی اور سمجھنے چاہیئے۔

(۴) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمادیجئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ مجھے جنت میں داخل فرمادے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہوسکتی، وہ عورت روتی ہوئی لوٹنے لگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس سے کہدو کہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی۔ بلکہ حق تعالیٰ جل شانہ سب اہل جنت عورتوں کو نو عمر کنواریاں بنادیں گے ارشاد باری تعالیٰ ہے إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا عُرُبًا أَتْرَابًا۔ جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں۔ (بیان القرآن) (شمائل ترمذی ص۲۲)

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دیہاتی زاہر نامی دوست تھے جو اکثر آپ کو ہدیے بھیجا کرتے تھے۔ ایک روز بازار میں وہ اپنی کوئی چیز بیچ رہے تھے اتفاق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے، ان کو دیکھا تو بطور خوش طبعی چپکے سے پیچھے سے جاکر ان کو گود میں اٹھالیا اور بطور ظرافت آواز لگائی کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ زاہرؓ نے کہا مجھے چھوڑدو کون ہے مڑکر دیکھا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضرت زاہرؓ نے کہا کہ۔ یارسول اللہ مجھ جیسے غلام کو جو خریدے گا نقصان اُٹھائے گا۔ (شمائل ترمذی) (اسوۂ رسول اکرم)

(باقی آئندہ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جو کوئی تم میں سے وضو کرے (اور پورے آداب کے ساتھ
خوب اچھی طرح) اور مکمل وضو کرے، پھر وضو کے بعد کہے
"اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً
عبدہٗ ورسولہٗ"
تو یقیناً اُس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے
کھل جائیں گے، وہ جس دروازے سے چاہے گا
جنت میں جاسکے گا۔
(رواہ مسلم)

نقد و تبصرہ

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے (ادارہ)

الکلام المفید فی اثبات التقلید

مؤلفہ: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہم العالی۔
ناشر: ادارۂ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔ ۳۶ × ۲۳ سائز کے ۳۴۱ صفحات
کتابت و طباعت متوسط۔ قیمت درج نہیں۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہم العالی اپنے علم و فضل اور تحقیقی ذوق کے لحاظ سے ہمارے ملک کی قیمتی متاع ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو تادیر بابِ فیوض سلامت رکھیں، انہوں نے اپنے قلم سے دین کی جو خدمات انجام دی ہیں، اور مسلکِ حق کے اثبات اور عہدِ حاضر کے مختلف مکاتبِ فکر پر جو عالمانہ تنقیدیں فرمائی ہیں، وہ ہمارے علمی اور دینی لٹریچر کا بہت بڑا سرمایہ ہیں۔

زیرِ نظر کتاب اُن کی تازہ تالیف ہے جس میں انہوں نے تقلید کے مسئلے پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے جو لوگ تقلید کو کفر و شرک یا غیر شرعی سمجھتے ہیں، ان کے دلائل و شبہات پر نہایت تفصیل اور تحقیق و انصاف کے ساتھ گفتگو کر کے مسئلے کو منقح فرما دیا ہے۔ مولانا کا اسلوب یہ ہے کہ وہ جو بات کہتے ہیں اسکی پشت پر مستند حوالوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے، اور انکی کتاب کا ہر صفحہ ان حوالوں سے سجا ہوا ہوتا ہے۔ یہی اسلوب اس کتاب میں بھی پوری قوت کیساتھ جلوہ گر ہے۔

حضرت مولانا نے اوّلاً تقلید کی حقیقت قرآن و حدیث اور صحابہ و بزرگانِ دین کے اقوال و تعامل کی روشنی میں واضح فرمائی ہے، اور تقلیدِ صحیح کے اثبات میں مستحکم دلائل پیش کئے ہیں۔ پھر ان تمام شبہات کا جائزہ لیا ہے جو تقلید کے خلاف بطور دلیل پیش کئے جاتے ہیں۔ نیز خاص طور پر حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی فقہ کو جن اعتراضات کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ان کو ایک ایک کر کے انکی حقیقت اسطرح واضح فرمائی ہے کہ ایک طالبِ حق کیلئے مجالِ انکار باقی نہیں رہتی۔

امید ہے کہ مولانا مدظلہم کی اس کتاب کی اہلِ علم کما حقہٗ پذیرائی فرمائیں گے۔ (م ت ع)

کتاب: سفرنامۂ ہند — مؤلف: مولانا محمد یوسف قریشی۔ مدظلہٗ

سائز: ۱۸×۲۲ — کل صفحات: ۲۱۶ — قیمت: ۱۵/- روپے

ناشر: مؤتمر المؤلفین۔ جامعہ اشرفیہ۔ پشاور

دارالعلوم دیوبند، دنیا کی عظیم اسلامی درسگاہ ہے جس کا فیض تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے فضلاء دنیا میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور کفر و بدعت اور گمراہی و ضلالت کی بیخ کنی کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ اس درسگاہ کو قائم ہوئے ایک صدی سے زیادہ عرصہ گذر گیا۔ آج تک اس کا فیض جاری ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ اور اکابر دیوبند نے فیصلہ کیا کہ دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جشن منایا جائے۔ اس سے ایک طرف ابناء دارالعلوم دیوبند میں باہمی ربط پیدا ہوگا اور دین کی تبلیغ و اشاعت مربوط انداز میں پیش کرنے کی بابت باہم مل جل کر ایک لائحہ عمل ترتیب دیا جائے گا۔ نیز یہ کہ اس سے دارالعلوم دیوبند کا تعارف عام کرنے میں مدد ملے گی، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد پیش نظر تھے۔

تمام عالم کے لوگ اس مقصد کے لئے دیوبند پہنچے۔ پاکستان سے بھی کئی وفود دیوبند پہنچے حضرت مولانا محمد یوسف قریشی صاحب مدظلہٗ بھی دیوبند تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے جو کچھ وہاں دیکھا اور پایا اس کو قلمبند کر کے یہ سفرنامہ ترتیب دے دیا۔ اس سفر میں موصوف دیوبند، سہارنپور، گنگوہ، میرٹھ، دہلی اور آگرہ کے علاوہ کئی دیگر مقامات پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے جو کچھ دیکھا اور مشہور اور نامور عمارتوں کو ملاحظہ کیا آپ نے ان سب کی بابت مختصر مختصر معلومات کتاب میں درج کر دی ہیں اور قاری گھر بیٹھ کر ان مقامات کی سیر بخوبی کر سکتا ہے۔

اسی ضمن میں جن اکابر کے مزارات پر حاضری دی یا ان سے ملاقات کی ان کے بھی مختصر لیکن دلچسپ حالات درج کتاب کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت علامہ مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ، حضرت علامہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند، حضرت حاجی سید محمد عابد صاحبؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری ثم مہاجر مدنیؒ، حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہٗ۔

کتاب آسان زبان میں تحریر کی گئی اس کو معمولی استعداد کا آدمی بھی پڑھ کر فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کتاب محنت اور سلیقے سے شائع کی گئی ہے۔ کتابت عمدہ کاغذ سفید اور سرورق رنگین ہے۔ امید ہے کہ زیادہ سے زیادہ قارئین اس دلچسپ اور معلومات افزا کتاب کا مطالعہ کر کے فائدہ اٹھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف اور ناشر کو جزائے خیر عطا فرمائے اور کتاب کو مقبول اور نافع بنائے۔ آمین۔

(ا۔ خ۔ س)

رجسٹرڈ ایس نمبر ۲۶۶۷ ماہنامہ البلاغ کراچی